اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ
دین خیرخواہی کا نام ہے

تبلیغی جماعت سے وابستہ متعلقین واحباب سے ایک نصیحت آموز گفتگو

تالیف

مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

”دین خیر خواہی کا نام ہے“

(تبلیغی جماعت سے وابستہ متعلقین واحباب سے ایک نصیحت آموز گفتگو)

تالیف

مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

کتاب کا نام	.	﴿اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَة﴾
		”دین خیر خواہی کا نام ہے“
مؤلف	.	مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ
طبع اول	.	شوال ۱۴۳۲ھ - ستمبر ۲۰۱۱ء
طبع دوم	.	ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ -نومبر ۲۰۱۱ء
تعداد	.	طبع اول تا دوم. ۲۵۰۰
ناشر	.	ادارہ تحسین الاسلام،لاہور
انٹرنیٹ ایڈیشن	.	مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان
ویب سائٹ	.	http://muwahideen.co.nr
ای میل	.	help@tawhed.webege.com

انتساب

زمانے کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں ''اصلاح'' کرنے والے ان پر عزم ہستیوں کے نام جو کہ اس حدیث کے مصداق دنیامیں بپاہونے والے ''فسادِ عظیم'' کے سامنے بند باندھے کھڑے ہیں کہ

((بدأ الاسلام غريباً وسيعود غريباً كما بدأ فطوبى للغرباء قالوا يارسول الله ومن الغرباء قال الذين يصلحون ثم فساد الناس))

'' اسلام کی ابتداء اجنبیت کی حالت میں ہوئی تھی اور ایک بار پھر اسلام اُسی اجنبیت کی حالت میں چلاجائے گا، سو مبارک باد ہے اجنبی ہو جانے والوں کے لئے۔ پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ اجنبی کون ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ وہ لوگ جو لوگوں کے فساد میں مبتلا ہونے کے وقت ان کی '' اصلاح'' کریں گے''۔

(مجمع الزوائد: ج۷ص۲۷۸۔ المعجم الاوسط: ج۹ص۱۲رقم الحدیث: ۸۹۷۷۔ المعجم الکبیر: ج٦ص۱٦۴رقم الحدیث: ۵۸٦۷)

فہرستِ مضامین

﴿چوتھی اصطلاح﴾ ''نبی کا طریقہ''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی بات

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ:

((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))[1]

"پس چاہیے کہ پہنچائیں جو موجود ہیں ان تک جو موجود نہیں ہیں"

عصر حاضر میں اس حدیث کو اصول بنا کر بے شمار لوگ "فضائل کے ذریعے دین کا پیاسا بنانا" کی بنیاد پر لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جنہیں عرف عام میں "تبلیغی جماعت" کہا جاتا ہے اور ان کی دعوت کے بنیادی اصطلاحات میں "کلمہ کی دعوت"............"انبیاء والا کام"............"اللہ کے راستے کی محنت"............"نبی کا طریقہ"............وغیرہ جیسی شرعی اصطلاحات شامل ہیں۔ چناچہ واقعہ یہ ہے کہ اس جماعت کے پر خلوص متعلقین و احباب کی یہ مساعی اگر چہ اس لحاظ سے قابلِ تحسین ہے کہ بے شمار لوگ جو کہ صرف نام کے مسلمان تھے اور انہیں کلمہ تک پڑھنا نہیں آتا تھا، ان کی انتھک محنت کی وجہ سے کم از کم کلمہ پڑھنے اور نماز ادا کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے گا اور انہیں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ جن "شرعی اصطلاحات" کی بنیاد پر یہ دعوتِ دین کا کام چل رہا ہے ، کیا واقعی وہ "دعوت و تبلیغ" ان "شرعی اصطلاحات" کے عین مطابق ہے، جس کی شرح سنت نبوی ﷺ و خلفائے راشدین المھدین و دیگر صحابہ کرام اور سلف و صالحین نے کی ہے؟ چنانچہ اس حوالے سے ہم ان "شرعی اصطلاحات" کو قرآن و سنت ، آثار صحابہ کرام اور سلف و صالحین کے اقوال کی

[1] بخاری، مسلم

روشنی میں سمجھنے کے ساتھ ساتھ، باارشاد نبوی ﷺ کہ "مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے" کے مصداق "دعوت و تبلیغ" کے نام پر چلنے والی تبلیغی جماعت کی موجودہ دعوت و مساعی کا بھی جائزہ لیں گے۔ تاکہ واقعتا اگر اس جماعت کی موجودہ کوشش "کلمہ کی دعوت"............ "انبیاء والا کام"............ "اللہ کے راستے کی محنت"............ "نبی کا طریقہ"............ وغیرہ جیسے شرعی اصطلاحات کے عین مطابق ہیں، تو پھر امت مسلمہ کو بھی اس جماعت کی طرف متوجہ کیا جائے اور اس کے لئے تن، من، دھن لگانے کی ترغیب دی جائے............ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی اس جماعت کی دعوت، طریقہ، منہج اور فکر ان "شرعی اصطلاحات" کے برخلاف ہیں تو اوّلاً اس کی نشاندہی اس جماعت کے احباب و متعلقین کے سامنے ((الدين النصيحة))[1] "دین خیر خواہی کا نام ہے" کی بنیاد پر کردی جائے تاکہ اگر وہ اس کی اصلاح کی استطاعت رکھتے ہوں تو یہ کام بلا کسی خوف و خطر و ملامت کے انجام دیں، ورنہ بصورتِ دیگر اس سے لاتعلقی ہی اُن کے اور اس امت کے حق میں بہتر ثابت ہو گی، اور دوم یہ کہ عامۃ المسلمین کے سامنے بھی وہ بنیادی اصول و ضوابط آسکیں جس پر وہ کسی بھی ایسی گروہ کو پرکھ سکیں جو ان "شرعی اصطلاحات" کی بنیاد پر دین کی دعوت و اقامت کا بیڑہ اٹھانے کا دعویٰ کرے۔

''اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ''

" اے اللہ! جو حق ہے اسے ہمیں حق کرکے دکھا اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق نصیب فرما اور جو باطل ہے اسے ہمیں باطل کرکے دکھا اور اس سے ہمیں بچنے کی توفیق عطا فرما "۔ آمین

[1] صحيح مسلم۔

نوٹ:

اس گفتگو کا دوران کوشش یہ کی گئی ہے کہ کلام صرف اُن بنیادی امور پر کیا جائے جو کہ جزئی یا فروعی نوعیت کے نہ ہوں بلکہ جن کا تعلق مسلمانوں کے اسلامی عقائد و اعمال سے ہو اور دوسری بات یہ کہ قارئین کو بعض جگہ محسوس ہوگا کہ انتہائی سخت اور شدید الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب معالات دین اسلام کے اہم امور سے متعلق ہوں اور ان پر کسی بھی قسم کی لچک یا ڈھیل آدمی کے اسلام اور ایمان کو ہی خطرے میں ڈال سکتی ہو تو پھر بعض اوقات سخت اور کرخت زبان میں بات کرنی پڑ جاتی ہے، اور سول اللہ ﷺ کی سنت بھی یہی تھی کہ جب معاملہ دینی حمیت و غیرت کا ہوتا یا پھر اللہ کی حدود کو توڑا جارہا ہوتا یا ان کا مذاق اڑایا جارہا ہوتا تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو جاتا، آپ ﷺ کی جسم کی رگیں پھول جاتی تھیں۔ باقی اگر کہیں ہم سے زیادتی یا کوتاہی ہو گئی ہو تو اس کے ہم اللہ سے معافی کے خواستگار ہیں کیونکہ ہمارا مقصد اختلاف برائے اختلاف نہیں بلکہ برائے ''اصلاح'' ہے۔

﴿پہلی اصطلاح﴾
”کلمہ کی دعوت“

”کلمہ کی دعوت“ اکابرین تبلیغی جماعت کی نظر میں:

تبلیغی جماعت کے اکابرین واراکین بڑے شد ومد سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ:

”ہماری دعوت ”کلمہ کی دعوت“ ہے۔ ہم تو صرف لوگوں کا کلمہ درست کرانے اور مسلمانوں میں کلمہ والا یقین پیدا کرنے کے لئے نکلے ہیں“۔

پھر اس کلمہ کا مطلب یوں بیان کیا جاتا ہے کہ

”سب کچھ اللہ سے ہونے کا یقین اور غیر اللہ سے کچھ نہ ہونے کا یقین“

”فضائل اعمال“ کے مؤلف مولانا زکریا صاحب مرحوم فرماتے ہیں:

”نبوت کے بعد سب سے پہلا کام جس پر ہر کلمہ گو کو اٹھایا وہ ”کلمہ کی دعوت“ ہے، جبکہ پنج وقتہ نماز بھی فرض نہ تھی، لیکن کلمہ والی دعوت شروع سے آخر تک چلتی رہی، آج بھی ہر شخص پر محنت کرنی ہے کہ وہ داعی بنے“۔[1]

اکابر تبلیغی جماعت مولانا جمشید رائے ونڈ والے اس ضمن میں کہتے ہیں:

---

[1] ”تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات“ از مولانا زکریا ص:۱۷۸۔ یحیوی کتب خانہ، سہارنپور

تو"غیر اللہ سے ہونے کا یقین" دل سے نکالو اور "اللہ ہی سے ہونے کا یقین" دل میں ڈالو اور اس کا راستہ ہے " دعوت"۔[1]

اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپور والے کہتے ہیں:

"یہ تو ہم مسلمان ہیں، مسلمان ملک میں پیدا ہوئے تو مسلمان ہیں، مسلمان گھرانے میں پیدا ہوگئے تو مسلمان ہیں، گائے کا گوشت کھانے لگے تو مسلمان ہیں، نماز پڑھ لی تو مسلمان ہیں ۔وہاں تو راستہ ہی ایک تھا۔جو آتا تھا وہ "دعوت" کے راستے سے آتا تھا اور دعوت کے راستے سے آنے کے بعد اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا۔دس سال تک کوئی عبادت نہیں تھی (مکہ میں) سوائے "دعوت الی اللہ" کے۔[2]

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

"یہ محنت (مکہ میں) دس سال تک کرائی ہے اس میں عبادت آپ نہیں دیکھیں گے، ہمارا اور صحابہ کا فرق یہی ہے کہ انہوں نے دس سال تک کوئی چیز دیکھی نہیں، سوائے "دعوت" کے، اس لئے ان کو کوئی اشکال نہیں ہوا۔ ہمارا قصہ کیا ہے؟ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوگئے تو مسلمان، نماز پڑھ لی تو مسلمان، گائے کا گوشت کھالیا تو مسلمان، ہمارے مسلمان ہونے کی کئی شکلیں ہیں، وہاں مسلمان شمار نہیں ہوتا تھا جب تک کہ وہ "صاحبِ دعوت" نہ ہو"۔[3]

---

[1] کراچی اجتماع۔۲۸جولائی،۲۰۰۷۔بحوالہ علمی کیسٹ گھر، کراچی۔

[2] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۸ء۔بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[3] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۸ء۔بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

’’کلمہ کی دعوت‘‘ کا شرعی مفہوم کیا ہے؟

چنانچہ ہم ’’کلمہ کی دعوت‘‘............ ’’کلمہ درست کرانے‘‘............ ’’کلمہ والا یقین‘‘............ کے ضمن میں سمجھیں گے کہ:

- کلمہ کی دعوت کا شرعی مفہوم کیا ہے............؟
- کلمہ درست کرانے کا شرعی مطلب کیا ہے............؟
- اور کلمہ والا یقین کے شرعی معانی کیا ہیں............؟
- ’’صاحبِ دعوت‘‘ ہونے کا شرعی مفہوم کیا ہے............؟

سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۹﴿قُلۡ اَیُّ شَیۡءٍ اَکۡبَرُ شَہَادَۃً﴾ کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

’’قال جاء النحام بي زيد، و قردم بن كعب، و بجرى بن عمرا، فقالو: يامحمد! ما تعلم مع الله الهاً غيره؟ فقال رسول الله ﷺ، لااله الا الله بذلك بعثت، والى ذلك ادعوا، فانزل الله فى قولهم﴿ قُلۡ اَیُّ شَیۡءٍ اَکۡبَرُ شَہَادَۃً﴾‘‘[1]

’’رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تین کافر حاضر ہوئے اور پوچھا کہ اے محمد! تم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں جانتے؟ (تو ان کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا) لا الٰہ الا اللہ ’’نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے‘‘ (اور جان لو کہ) میں اسی کلمہ کے ساتھ مبعوث

[1] الدرر المنثور، باب:۱۹، ج:۴، ص:۳۹۔

ہوا ہوں اور اسی کلمہ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والا ہوں۔ پس اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی "اے نبی! ان سے پوچھئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے ؟"۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے اوصاف حمیدہ سے متعلق سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۴۶ ﴿وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ﴾ کی تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ یوں فرماتے ہیں:

''وداعياً الى شهادة لا اله الا الله''[1]

"یعنی آپ ﷺ اس بات کی طرف دعوت دینے والے تھے کہ گواہی دو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو دعوت دینے کا طریقہ سکھایا جبکہ آپ ﷺ ان کو یمن کی طرف روانہ کر رہے تھے: ((فَادْعُهُمْ الى شهادة أن لا اله الا الله))[2]

"سب سے پہلے ان کو " لا الٰہ الا اللہ "کی طرف دعوت دو"۔

پس ثابت ہوا کہ شریعت اسلامی میں "کلمہ کی دعوت" ایک اہم دینی و شرعی اصطلاح ہے، جس کا سمجھنا ہر مسلمان کے اوپر لازم ہے۔ چناچہ "کلمہ کی دعوت" کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں یہ جانا جائے کہ کلمہ طیبہ سے کیا مراد ہے............؟

کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے مراد؟

[1] الدر المنثور، باب:۴۵، ج:۸، ص:۱۷۷۔

[2] صحیح مسلم، ج:۱، ص:۱۱۱، رقم الحدیث:۲۷۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[1]

''پس علم حاصل کرو اس بات کا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں''۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من مات وھو یعلم انه لا اله الا الله دخل الجنة))[2]

''جو مر جائے اور وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا علم رکھتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔''

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں اس کے لیے باب باندھا ہے:

''من مات علی التوحید دخل الجنة''

''جس کو توحید پر موت آئی ہو وہ جنت میں داخل ہو گا۔''

معلوم یہ ہوا کہ ''کلمہ طیبہ'' کا مطلوب و مقصود توحید ہے، صرف زبان سے اس کی ادائیگی نہیں۔ چنانچہ کلمہ پورا نہیں ہوتا جب تک اس کے حقوق کو تسلیم نہ کر لیا جائے اور اس کے منافی امور سے اجتناب نہ کیا جائے۔ چنانچہ ذیل میں ہم وہ احادیث مبارکہ نقل کر دیتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ زبان سے صرف کلمہ کی ادائیگی نجات کا باعث نہیں بلکہ یہ اس کے حقوق کی ادائیگی اور ایسے امور سے اجتناب سے مشروط ہے جن کی بناء پر ایک مسلمان کا کلمہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اسلام کی سرحد سے نکل کر کفر و نفاق کی صف میں جا کھڑا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] محمد/القتال:۱۹۔

[2] صحیح مسلم،ج:۱،ص:۵۵، رقم الحدیث:۲۶۔صحیح ابن حبان،ج:۱،ص:۴۳۰، رقم الحدیث:۲۰۱۔

((مفاتیح الجنۃ شھادۃ أن لا الہ الا اللّٰہ))[1]

''جنت کی کنجیاں لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا ہے''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے:

''وقیل لوھب من منبہ ألیس لا الہ الا اللّٰہ مفتاح الجنۃ، قال بلی ولکن لیس مفتاح الا لہ اسنان۔ فان جئت بمفتاح لہ أسنان فتح لك والا لم یفتح لك''[2]

''وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا جنت کی کنجی ''لا الٰہ الا اللہ نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں! لیکن ہر چابی کے دانت ہوتے ہیں۔ اگر تم ایسی چابی لاؤں گے جس کے دندانے ہوں (یعنی تمہار کلمہ کے موافق عمل بھی ہو گا)، توتمہارے لئے (جنت) کھول دی جائے گی ورنہ نہیں''۔

''الٰہ'' کا مفہوم:

کلمہ طیبہ کے ضمن ایک شرعی اصطلاح ''الٰہ'' کو سمجھنا بھی انتہائی ضروری ہے تاکہ یہ بات واضح ہو سکے کہ ''اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود نہ ماننے'' کا مطلب کیا ہے؟

عام فہم انداز میں یوں سمجھئے کہ ''الٰہ'' اس ہستی کو کہتے ہیں جس کی عبادت کی جاتی ہوں، یعنی اس کے آگے سر بسجود ہوا جاتا ہو اور اس کے لئے کچھ خاص مراسم عبودیت ادا کئے جاتے ہوں۔ جیسے ایک مسلمان اللہ کے آگے نماز میں سر بسجود ہوتا ہے۔

---

[1] مجمع الزوائد، ج:۱۰، ص:۲۸۔ رجالہ وثقوا الا ان شھرا لم یسمع من معاذ۔

[2] صحیح البخاری، ج:۴، ص:۴۵۶۔

لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے کسی کے لئے مراسم عبودیت کی ادائیگی کے علاوہ اس کے بنائے ہوئے قوانین کو تسلیم کرنے کو بھی اس کی "عبادت" کرنے اور اسی کو "الہ" ماننے کے مترادف قرار دیا ہے۔ چناچہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اپنے ایمان لانے سے قبل کا واقعہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں اس حال میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا کہ میرے گلے میں صلیب پڑی ہوئے تھی تو اس موقع پر جب آپ ﷺ سے سورۃ التوبہ کی آیت ۳۱ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ "یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور فقہاء کو رب بنالیا تھا" سنی تو عرض کیا:

"انهم لم يعبدوهم۔ فقال بلى،انهم احلوا لهم الحرام وحرموا عليهم الحلال،فاتبعوهم ،فذلك عبادتهم اياهم "[1]

"یہود و نصاریٰ نے تو کبھی اپنے علماء کی عبادت نہیں کی! تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں ،انہوں نے کسی حرام کو حلال کیا اور کسی حلال کو حرام کیا تو انہوں نے اس عمل کی پیروی نہیں کی، پس یہی عمل ان کی عبادت کرنا ہے"۔

یہ واقعہ دیگر احادیث صحیحہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ بھی وارد ہوا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سورۃ التوبہ کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"قال: اما انهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم أطاعوهم في معصية الله"

"یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی، لیکن نافرمانیوں میں ان کی اطاعت کی (یہی تو عبادت کرنا ہے)"۔[2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر ،باب۷۸،ج:۲،ص:۶۶۔

[2] أخرج ابوالشيخ والبهيقي في شعب الايمان كذا في الدرالمنثور،باب:۱۳،ج:۵،ص:۵۴۔

چنانچہ یہ بات واضح ہوئی انسان جس کے بنائے ہوئے قوانین کو تسلیم کرتا ہے دراصل اسی کو اپنا معبود تسلیم کرتے ہوئے اسی کی پرستش اور عبادت کرتا ہے۔

اللہ کی وحدانیت کا اقرار، طاغوت کے کفر کے بغیر مقبول نہیں:

یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ کلمہ کا پہلا حصہ یعنی "لا الٰہ الا اللہ" دو چیزوں پر مشتمل ہے اوّل نفی اور دوم اثبات۔ نفی "لاالٰہ" ہے اور اس سے مراد "کفر بالطاغوت" اور اثبات "الااللہ" یعنی ایک اللہ کی عبادت ہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے "کلمہ طیبہ" کی وضاحت خود اس طرح کی ہے:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ [1]

"جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔"

اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تشریح یوں کی ہے کہ

''وھذا ھو معنیٰ لاالہ الااللّٰہ'' [2]

"اور یہی معنی ہے لا الٰہ الا اللہ کے"۔

پس معلوم ہوا کہ اُس وقت تک اللہ کی وحدانیت کا اعلان بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں جب تک اس سے پہلے "طاغوت" کا کفر و انکار نہ کیا جائے۔ لٰہذا خود بخود سوال پیدا ہوتا ہے کہ "طاغوت" سے کیا مراد ہے............؟

---

[1] البقرۃ:۲۵۶۔

[2] الاصول الثلاثۃ: ص۵۵۔

طاغوت سے مراد؟

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"طاغوت ہر اس معبود، یا پیشوا، یا واجب اطاعت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے بندہ اپنی حد سے تجاوز کر جائے۔ لہٰذا ہر قوم کا "طاغوت" وہ ہوا جس کے پاس وہ اللہ اور اس کے رسول کے سوا فیصلے کے لیے جاتے ہیں، یا اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں، یا اللہ کی جانب سے بلا بصیرت اس کی اتباع کرتے ہیں، یا اس کی ہر اس بات میں اطاعت کرتے ہیں جس کے متعلق وہ نہیں جانتے کہ وہ اللہ کی اطاعت ہے"۔ [1]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

"والطواغیت کثیرون، ورؤسهم خمسة: ابلیس لعنه الله، ومن عبد وهو راض، ومن دعا الناس الی عبادة نفسه، ومن ادعی شیئاً من علم الغیب، ومن حکم بغیر ما انزل الله"

"طاغوت تو بے شمار ہیں مگر ان کے چوٹی کے سردار پانچ ہیں:

❶ ابلیس لعین

❷ ایسا شخص جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس فعل پر رضامند ہو۔

❸ جو شخص لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دیتا ہو اگرچہ اس کی عبادت نہ بھی ہوتی ہو۔

---

[1] اعلام الموقعین عن رب العالمین: ۱/۵۰۔

❹ جو شخص علم غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہو۔

❺ جو شخص اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے خلاف فیصلہ کرے"۔[1]

لہٰذا اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ طاغوت وہ ہے جو کہ اللہ کے نازل کردہ قوانین کو چھوڑ کر اپنے قوانین کو تسلیم کروائے اور ظاہر ہے جس کے قوانین کو تسلیم کیا جاتا ہے دراصل اس کی ہی "عبادت "اور اس کو ہی "الٰہ "تسلیم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا کلمہ اس وقت تک "درست "اور مکمل نہیں جب تک کہ اللہ وحدہ لاشریک کی واحدانیت کے اظہار سے پہلے طواغیت کا کفر نہ کر لیا جائے۔ اسی بات کو بالکل واضح الفاظ میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یوں ارشاد فرمایا:

((ثم من قال لااله الا اللّٰه وكفر بما يعبد من دون اللّٰه حرم ماله ودمه وحسابه على اللّٰه))[2]

"جس نے کہا "لا الٰہ الا اللہ "اور (یہ کہنے کے بعد) اللہ کی سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے اُن کا (عملاً) کفر کیا تو اس نے اپنا مال وجان محفوظ کر لیا اور باقی اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے"۔

انبیاء ورسل کی کلمہ والی دعوت:

پس حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تک تمام رسول اور انبیا کرام نے کلمہ طیبہ کے مذکورہ بالا "شرعی مفہوم "یعنی طاغوت کا کفر اور اللہ پر ایمان کے ساتھ "کلمہ کی دعوت "پوری انسانیت کے سامنے پیش کی، جس کی شہادت قرآن نے یوں دی:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾[1]

---

[1] الاصول الثلاثۃ وادلتھا: ص۵۱۔

[2] صحیح مسلم، ج:۱، ص:۵۳، رقم الحدیث: ۲۳۔

"اور تحقیق ہم نے ہر امت میں رسول مبعوث کئے (جن کی دعوت یہ تھی کہ) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (کی عبادت) سے بچو"۔

بالفاظ قرآنی ہر رسول نے سب سے پہلے اپنی قوم کے سامنے ان الفاظ میں دعوت دی:

﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾[2]

"اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں تم کسی اور کو شریک نہ بناؤ"۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾[3]

"اور (اے نبی ﷺ) آپ سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو"۔

تمام انبیاء ورسل کی "کلمہ والی دعوت" دراصل دین حق کے بالفعل نفاذ کے لئے ہوتی تھی۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ جس میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور نبی کریم ﷺ کا فرضِ منصبی "دین کی اقامت" قرار دیا گیا، وہی اگلی آیات میں اسی فرض منصبی کی تکمیل کے لئے دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾[4]

---

[1] النحل:۳۶۔

[2] الاعراف:۶۵۔

[3] الانبیآء:۲۵۔

[4] الشوریٰ:۱۵۔

"پس آپ اسی (اقامت دین کے فرضِ منصبی) کی طرف دعوت دیتے رہے اور ثابت قدم رہیے اس چیز پر جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور دیکھئے ان کی خواہشات (پر مبنی راستوں) کی اتباع نہ کیجئے گا"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کلمہ والی دعوت:

تبلیغی جماعت کے اکابرین یہ بات بڑی زور دے کر کہتے ہیں کہ:

"خطبۂ حجۃ الوداع کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "کلمہ والی دعوت" کو لے کر پوری دنیا میں پھیل گئے"۔

اور پھر "فضائل" کی بنیاد پر مذکورہ جماعت سے وابستہ حضرات پوری دنیا میں اپنی مساعی اور جدوجہد کو وسیع کرنے کی ہمہ تن کوشش کرتے ہیں اور اس کام کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم اس ضمن میں یہ بات کھولنے کی کوشش کریں گے کہ جس بنیاد پر صحابہ کرام کا نکلنا ثابت کیا جارہا ہے اس کی حقیقت کیا ہے............؟

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں صرف "فضائل" کی بنیاد پر تبلیغی وفود کی شکل میں نہیں بلکہ جہادی لشکروں کی صورت میں "کلمہ والی دعوت" کو اپنے "شرعی مفہوم" کے ساتھ ہاتھ میں "تلوار" لئے پوری دنیا میں پھیل گئے جو کہ تین بنیادی مطالبات پر موقوف تھی:

(۱) اسلام قبول کرلو............(بشارت)

(۲) جزیہ دو............(انذار)

(۳) نہیں تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ............(قتال)

اور دعوت کا یہ طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے از خود وضع نہیں کیا تھا بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھلایا ہوا طریقہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل نجران کے عیسائیوں کو دعوتی خط لکھا تو اس کے الفاظ یہ تھے:

((امابعد، فانی ادعوکم الی عبادۃ اللہ من عبادۃ العباد، وأدعوکم الی ولایۃ اللہ من ولایۃ العباد، فان أبیتم فالجزیۃ، فان أبیتم آذنتکم بحرب والسلام))[1]

"امابعد! میں تمہیں دعوت دیتا ہوں بندوں کی غلامی سے اللہ کی غلامی کی طرف، اور میں تمہیں دعوت دیتا ہوں بندوں کی حکمرانی سے اللہ کی حکمرانی کی طرف۔ پس اگر تم نہ مانو تو تمہارے لئے جزیہ مقرر ہے اور اگر یہ بھی قبول نہیں تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، والسلام"۔

"کلمہ کی دعوت" حالت مغلوبیت میں:

اس پر کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کا یہ انداز صرف مدنی دور میں اپنایا تھا جبکہ آپ کو غلبہ و تمکن حاصل ہو گیا تھا۔ اوّل یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی بھی مسئلہ کے حل کے بارے میں یہ دیکھنا کہ مکی یا مدنی دور میں کیا ہوا تھا یہ شرعی اصول نہیں۔ دین اسلام کی تکمیل کے بعد اصل ضابطہ و اصول یہ قرار پایا کہ کسی بھی مسئلہ کے بارے میں مکی یا مدنی کی تخصیص کے بغیر مطلق یہ دیکھا جائے کہ سلف وصالحین نے اس مسئلہ کے بارے "شرعی حکم" کیا بیان کیا ہے۔

دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ "طریقۂ دعوت" صرف مدنی دور تک محدود نہیں تھا۔ احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ہجرتِ مدینہ سے قبل سردارانِ قریش حرم میں حطیم پر جتھا لگا کر بیٹھے ہوئے تھے اور اس بات پر برہمی کا اظہار کر رہے تھے کہ:

---

[1] زاد المعاد، ج:۳، ص:۵۴۹۔ البدایۃ والنہایۃ، ج:۵، ص:۶۵۔

''مارأینا مثل ما صبرنا علیه من هذا الرجل قط سفه احلامنا وشتم آبائنا وعاب دیننا وفرق جماعتنا وسب آلهتنا لقد صبرنا منه علی امر عظیم''[1]

''ہم نے جیسا صبر اس آدمی (یعنی محمد) پر کیا ہے کسی اور پر کبھی نہیں کیا، اس نے ہمارے عقلمندوں کو بیوقوف کہا، ہمارے آباؤاجداد کو برا بھلا کہا، ہمارے دین میں عیوب نکالے، ہماری جماعت کو منتشر کیا اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا، ہم نے اس کے معاملے پر اب بہت صبر کرلیا''۔

راوی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حجرِ اسود کا استلام کیا اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں عیب نکالنے لگے اور تین چکروں تک یہی ہوا بالآخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دھمکی آمیز لہجے میں یوں گویا ہوئے جبکہ آپ حالتِ مغلوبیت میں تھے:

((یا معشر قریش! أمَ والذی نفس محمد بیده! لقد جئتکم بالذبح))[2]

''اے قریش مکہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضے محمد کی جان ہے۔ بے شک میں تمہیں ذبح کرنے کے لئے آیا ہوں''۔

ایک اور جگہ الفاظ یوں ملتے ہیں:

((یا معشر قریش! أمَ والذی نفس محمد بیده! ما أرسلت الیکم الا بالذبح، واشار بیده الی حلقه))[1]

---

[1] مسند احمد، ج:۱۴، ص:۲۲۷، رقم الحدیث:۶۷۳۹۔ مجمع الزوائد، ج:۶، ص:۱۵۔

[2] مسند احمد، ج:۱۴، ص:۲۲۷، رقم الحدیث:۶۷۳۹۔ مجمع الزوائد، ج:۶، ص:۱۵۔

''اے قریش مکہ !اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے۔ میں نہیں بھیجا گیا تمہاری طرف مگر یہ کہ تمہیں ذبح کرنے کے لئے اور پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے گردن کی طرف اشارہ کیا''۔

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طریقۂ دعوت کو اختیار کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل فارس کے سامنے ان الفاظ میں ''کلمہ والی دعوت'' رکھی:

''ادعوكم الى الله والى الاسلام فان أجبتم اليه فأنتم من المسلمين لكم مالهم وعليكم ماعليهم،فان أبيتم فالجزية فان أبيتم فقد أتيتكم بأقوام أحرص على الموت منكم على الحياة،جاهدناكم حتى يحكم الله بيننا وبينكم''[2]

''ہم تمہیں اللہ کی طرف اور اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ پس اگر تم نے اس دعوت کو قبول کر لیا تو تم مسلمانوں میں سے ہوگے۔ جو ہمارے لئے ہے وہ ہی تمہارے لئے ہو گا اور جو چیز ہم پر عائد ہو گی وہی تم پر عائد ہو گی۔ اگر تم نے یہ دعوت قبول نہ کی تو تمہارے لئے دوسراراستہ جزیہ دینے کا ہے اور اگر تمہیں یہ بھی قبول نہیں تو میں تمہارے اوپر ایسی قوم کو بھیج رہا ہوں جو موت کی اتنی ہی حریص ہے جتنا تم زندگی کے۔ ہم تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تمہارے اور ہمارے درمیان فیصلہ کر دے''۔

اور اس ساری کوشش اور سعی کا مقصد کیا تھا؟اس سلسلے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے الفاظ قابل غور ہیں،جو انہوں نے اس دور کی سپر پاور کسریٰ کے دربار میں کہے تھے:

---

[1] مصنف ابن ابي شيبة،ج:٨،ص:٤٤١۔ كنزالعمال،ج:٤،ص:٦١٤، رقم الحديث:١١٧٧٦۔

[2] البداية والنهاية،ج:٦،ص:٣٧٧۔

((فَقَالَ اللّٰہ ابْتَعَثْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلٰی عِبَادَةِ اللّٰهِ وَحْدَهٗ، وَمِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا إِلٰی سَعَتِهَا، وَمِنْ جَوْرِ الْأَدْيَانِ إِلٰی عَدْلِ الْإِسْلَامِ))[1]

”بے شک اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تا کہ ہم نکالیں انسانوں کو بندوں کی عبادت سے، اللہ وحدہ کی عبادت کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور (باطل) ادیان کے ظلم وستم سے اسلام کے عدل کی طرف۔“

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تبلیغی جماعت کے بانی اور اولین وآخرین اکابرین کا تعلق بنیادی طور پر دیوبند مکتبہ فکر سے ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں دیوبند مکتبہ فکر کے معروف عالم دین مولانا محمد سر فراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب نے اپنی کتاب ”کلمۃ الھادی الی سواء السبیل“ جو کہ انہوں نے تبلیغی جماعت کے موجودہ اکابرین کے نظریات وافکار کے رد میں لکھی ہے اور جس کی تائید استاد الحدیث جامعہ بنوریہ نیوٹاؤن مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب سمیت دیوبند مکتبہ فکر کے دیگر معروف علماء کرام نے کی، اس کتاب میں مؤلف کلمہ طیبہ کی دعوت کے ضمن میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے فوراً بعد مسجد حرام میں قریش کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ کر ایمان لانے کا اعلان کرنے اور اس کے جواب میں قریش کی طرف سے بہیمانہ تشدد کے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگر اس طرح تبلیغ ہو کہ تن من دھن کی پروا کئے بغیر کلمۂ شہادت اپنے ”اصلی مفہوم“ کے ساتھ جب کہ مخاطب صاحب لسان ہوں، اس کا ترجمہ ان کی زبان میں ایسے بیان کریں کہ وہ سمجھ جائے کہ اس میں ہمارے ”جھوٹے معبودوں“ کا رد ہے، حتیٰ کہ اذیت پہنچائیں اور وہی کر گذریں جو مشرکین مکہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تو تبلیغ کا مزہ آجائے............ معلوم ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ سے معبودانہ باطلہ کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ وہ

[1] البدایۃ والنہایۃ، ج:۷، ص:۴۷۔

صاحب لسان تھے، لا الٰہ الا اللہ کے مفہوم کو سمجھتے تھے۔ آج کل کے لوگ ایسے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ کو مانتے ہیں، (لیکن) اگر اس کی صحیح تفسیر کی جائے تو وہ اس کو برداشت نہیں کرسکتے بلکہ لا الٰہ الا اللہ کی دعوت و تبلیغ کرنے والے کو شاعر مجنون سمجھتے ہیں"۔[1]

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعثت کے بعد کلمہ طیبہ کا مفہوم اتنا واضح اور مبین کرکے بیان کیا تھا کہ کفارِ مکہ جانتے تھے کہ کلمہ طیبہ صرف زبان سے چند الفاظ نکالنے کا نام نہیں ہے۔ صحیح احادیث میں یہ بات مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی کی وجہ سے مکہ میں سردارانِ قریش کے غیض و غضب سے کسی حد تک بچے ہوئے تھے لہٰذا سرداران قریش رسول اللہ ﷺ کو کلمہ والی دعوت سے روکنے کے لئے بارہا ابو طالب کے پاس آتے تھے کہ اپنے بھتیجے کو سمجھالو ورنہ نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ ابو طالب ہمیشہ سمجھا بجھا کر ان کو بھیج دیا کرتے تھے لیکن ایک دفعہ ابو طالب نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یہ لوگ تمہاری شکایتیں لے کر آئے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((یاعم انی أرید علی کلمة واحدة تدین لهم بها العرب وتؤدی الیهم بها العجم الجزیة))

"اے میرے چچا! میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ لوگ صرف ایک "کلمہ" کا اقرار کرلیں تو تمام عرب ان کے ماتحت اور فرمانبردار ہوجائیں گے اور تمام اہل عجم ان کو جزیہ دینے لگ جائیں گے"۔

یہ بات سن کر سرداران قریش اور خاص کر ابو جہل فوراً بولا:

((وماهی نعم وأبیك عشراً))

---

[1] کلمة الهادی الی سواء السبیل "ص:۱۵۶۔

”تمہارے والد کی قسم! ایک کلمہ نہیں، دس کلمے ماننے کو تیار ہیں“۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لا الٰه الا الله“

یہ کلمہ سن کر سرداران قریش کپڑے جھاڑتے ہوئے یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ اتنے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنالیا جائے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔[1]

جب ہی علامہ اقبال نے کیا ہی عمدہ بات کہی:

چوں می گویم مسلمانم بلرزم

کہ دانم مشکلات لا الہ را

”جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں لرز جاتا ہوں

کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ”لا الہ“ کہنے کے بعد کیا مشکلات آتی ہیں“۔

پس تمام انبیاء و رسل نے اپنی قوم کے سامنے ”طاغوت کے کفر اور اللہ پر ایمان“ کی بنیاد پر ”کلمہ والی دعوت“ رکھی۔ لہٰذا آج کوئی بھی فرد یا جماعت قرآن و سنت اور سلف صالحین کے بیان کردہ کلمہ طیبہ کے ” شرعی مفہوم“ کے علاوہ اپنے ذہن یا کسی اور کے اخذ کردہ مفہوم و معانی کے مطابق ”کلمہ کی

[1] مسنداحمد، ج:۷، ص:۲۷۷، رقم الحدیث:۳۲۴۴۔ سنن الترمذی، ج:۱۱، ص:۲۶، رقم الحدیث:۳۱۵۶ ھذا حدیث حسن صحیح۔ المستدرك الحاکم، ج:۸، ص:۲۸۴، رقم الحدیث:۳۵۷۶ ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔

دعوت ''کو بیان کرے یا اس کی بنیاد پر لوگوں کو جمع کرے تو اس کی یہ دعوت شرعی لحاظ سے دین اسلام میں تحریف کے مترادف اور مردود یعنی رد شدہ ہے۔

﴿دوسری اصطلاح﴾

”نبیوں اور رسولوں والا کام“

اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد بہاولپور والے صاحب انبیاء ورسل کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”یہ ساری بات میں اس لئے کر رہا ہوں کہ انبیاء کی بعثت کا مقصد کیا ہے کہ یہ انسان اگر انسانی زندگی سے اور اپنی فطرتی زندگی سے باہر نکل جائے تو اس کو دوبارہ اس زندگی پر لانے کے لئے اور دوبارہ اس زندگی کو بتانے کے لئے اور سکھانے کے لئے میں نے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ قائم کیا اور ”نظام تبلیغ و دعوت“ قائم کیا۔ یہ سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے چلا ہے اور سید کائنات امام الانبیاء، خاتم الرسل حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تک یہ سلسلہ مسلسل قائم ہوا ہے“۔[1]

”نظام دعوت و تبلیغ“ کے ضمن میں یہ بات واضح ہو جائے کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین اور احباب اپنی دعوت، کوشش اور جدوجہد جس کو وہ صرف ”فضائل“ کی دعوت و تبلیغ کی بنیاد پر انجام دیتے ہیں اور اپنی ان تمام تر کوششوں کو ”نبیوں اور رسولوں والا کام“ قرار دیتے ہیں اور اس کو ہی سب سے بڑا کارِ خیر سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ”فضائل اعمال“ کے مؤلف مولانا زکریا صاحب مرحوم اجتماعی طور پر اس جماعت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فضائل کے ذریعے دین کا پیاسا بنانا. اجتماعی تعلیم میں صرف فضائل (بیان) ہوں گے“۔[2]

نبیوں اور رسولوں والے کام سے مراد؟

[1] کراچی اجتماع۔ ۳۱ کتوبر، ۲۰۱۰ء۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[2] تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات“ از مولانا زکریا ص: ۱۷۴۔

لٰہذا یہ بات جاننا بھی اشد ضروری ہے کہ "نبیوں اور رسولوں والا کام" سے کیا مراد ہے یعنی انبیاء و رسل کی بعثت کن امور کی انجام دہی کے لئے ہوتی تھی؟ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رُسُلاً مُّبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ لِئَلاَّ یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌ م بَعۡدَ الرُّسُلِ﴾ [1]

"یہ رسول تھے بشارت دینے والے اور خبر دار کرنے والے تاکہ نہ رہے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت رسولوں کے آنے کے بعد"۔

﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا﴾ [2]

" اے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم !بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور خبر دار کرنے والے ہیں"۔

چنانچہ درجِ بالا آیات سے یہ بات از خود واضح ہو رہی ہے کہ انبیاء ورسل صرف بشارتیں یا فضائل سنانے والے نہ تھے بلکہ وہ ساتھ میں خبر دار کرنے والے بھی تھے۔یعنی جو اللہ کی ہدایت پر لبیک کہے اس کے لئے اللہ کی رحمتوں کی نوید سنانے والے اور اللہ کے باغیوں اور سرکشوں کو اللہ کے عذاب سے خبر دار کرنے والے تھے۔اور بات صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتی کہ انبیاء ورسل صرف "بشیر و نذیر" تھے بلکہ ان کی بعثت کا "مقصد اعلیٰ "انسانیت کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے اور باطل نظاموں کے چنگل سے آزادی دلا کر اعلائے کلمۃ اللہ یعنی شریعت کا نفاذ ہوا کرتا تھا ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] المائدۃ:١٦٥۔

[2] الاحزاب:٤٥۔

﴿وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ﴾[1]

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں اور ترازو (یعنی نظامِ عدل وقسط) نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصدِ بعثت بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے اور دین حق کے قیام کے لئے تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾[2]

"(اے موسیٰ) جاؤ فرعون کی طرف کہ بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے۔"

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں فرعون کے پاس گئے:

﴿ فَاۡتِيٰهُ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّكَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَلَا تُعَذِّبۡهُمۡ قَدۡ جِئۡنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰى﴾[3]

"تم اس کے پاس جا کر کہو کہ ہم تمہارے پروردگار کے پیغمبر ہیں تو تم ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو۔ ان کو تکلیف نہ دو ہم تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ اور سلامتی ہے اس کیلئے جو راہ راست کی پیروی کرے۔"

---

[1] الحدید:۲۵۔

[2] سورۃ طٰہٰ:۲۴۔

[3] سورۃ طٰہٰ:۴۷۔

کیا انبیاء کرام کی بعثت صرف ''زبانی دعوت''تک محدود تھی؟

اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپور والے کہتے ہیں:

''دین کیسے قائم ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ دین کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے میں نے ہمیشہ انبیاء علیہ السلام کو بھیجا ہے اور وہ سب ''اصحاب دعوت'' تھے۔ دین جب بھی آیا ہے اور جن میں بھی آیا ہے وہ ''دعوت'' کے راستے سے آیا ہے!''۔[1]

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

''تو خوب سمجھ لیجئے اس ضابطے کو کہ کافر کو اسلام میں لانے کے لئے یا مسلمان جو کافروں کی زندگی اپنا کر اللہ کے عذاب اور عتاب میں آجائیں، ان کو اس سے نکالنے کے لئے اللہ نے جو نظام بنایا ہے وہ ایک ہی نظام ہے، دو نظام نہیں۔ اس نظام کا نام ہے ''دعوت و تبلیغ''۔ کافر کبھی اسلام میں نہیں آئے، تاریخ انسانی خالی ہے، کافر کبھی اسلام میں نہیں آئے سوائے انبیاء کی محنت جو ''دعوت'' کہلاتی ہے اور بگڑی ہوئی مسلمان امتیں دوبارہ اپنی زندگی کی طرف نہیں لوٹیں سوائے انبیاء کی محنت (یعنی دعوت) کے۔ یہ بات بالکل ضابطے کے اندر طے ہے۔ مسلمانوں نے اپنے اس اعزاز اور اس امتیاز کی ناقدری کرکے اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچایا ہے اور پوری انسانیت کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔ ان کے اسلام میں داخلے کا راستہ ''دعوت'' کے علاوہ ہے نہیں''۔[2]

مزید ایک اور جگہ کہتے ہیں:

---

[1] کراچی اجتماع۔۲۸ جولائی، ۲۰۰۷۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[2] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۷ء۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

''ہے بڑی عجیب بات کہ میں سوچتا ہو کہ کہاں گئی عقلیں! اگر اللہ کے نزدیک راستے مختلف ہوتے تو حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ نبی مختلف راستوں سے آتے۔ کسی کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنادیا جاتا، کسی کو بہت بڑی حکومت دی جاتی اور کسی کو یہ کہا جاتا کہ تم لوگوں کو نکالو''۔[1]

تبلیغی جماعت کے اکابرین و اراکین انبیاء ورسل والے کام کو صرف ''دعوت'' کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور وہ بھی اپنے اخذ کردہ مفہوم پر، نہ کہ اس شرعی مفہوم پر جس کو ہم پہلے بیان کر چکے اور پھر ''دعوت'' کو صرف زبانی حد تک محدود مانتے ہیں اور انبیاء کی بعثت کا مقصد کو صرف ''زبانی دعوت'' تک محدود رکھتے ہیں اور اس دعوت میں ''طاقت'' کے استعمال کو یا بالفاظ دیگر ''قتال فی سبیل اللہ'' کو شامل نہیں سمجھتے تو ان کی یہ غلط فہمی کو قرآن بڑے واضح الفاظ میں رد کر دیتا ہے اور یہ واضح کر دیتا ہے کہ '' نبیوں اور رسولوں والا کام'' اس وقت کے معبودانِ باطلہ اور کفریہ نظام کا صرف زبانی انکار نہیں ہوتا تھا بلکہ عملاً اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے اور اس شریعت کو نافذ کرنے کے لئے کفار سے ''قتال'' بھی ہوتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ﴾[2]

''اس سے پہلے بھی کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں، جن کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے قتال کیا''۔

سورۃ الحدید کی اوپر ذکر کردہ آیت جس میں رسولوں کا ''مقصد بعثت'' کو بیان کیا گیا وہاں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی:

﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾[1]

---

[1] کراچی اجتماع۔ ۲۹ جولائی، ۲۰۰۷۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[2] آل عمران: ۱۴۶۔

”اور ہم نے (اس کام کی تکمیل کے لئے) لوہا نازل کیا جس میں جنگ کرنے کی بڑی صلاحیت ہے“۔

”نبیوں اور رسولوں والا کام“ اور قرآن و حدیث سے چند مثالیں:

ذیل میں کچھ مثالیں قرآن و حدیث سے بیان کی جاتی ہیں، جس سے واضح ہو جائے گا کہ ”نبیوں اور رسولوں والے کام“ میں بشارت و انذار کے ساتھ ”قتال“ بھی بدرجہ اتم شامل تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک شہر کو فتح کرنے کے لئے بنی اسرائیل کو ابھارا تو اس کا جواب قوم نے یوں دیا:

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ﴾[2]

”(اے موسیٰ) تم اور تمہارا رب جا کر قتال کرو، ہم تو یہیں بیٹھیں“۔

چنانچہ اس بیٹھے رہنے اور قتال نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت وعیدیں نازل ہوئیں۔

حضرت لوط علیہ السلام جب اپنی قوم کی بداعمالیوں سے تنگ آگئے اور ان کی قوم میں کوئی ایک بھی صالح مرد باقی نہیں بچا تو انہوں نے حسرت بھرے الفاظ کہے:

﴿لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً﴾[3]

”کاش! میرے پاس (لڑنے کیلئے) کوئی قوت ہوتی“۔

---

[1] سورۃالحدید:۲۵۔

[2] المائدۃ:۲۴۔

[3] ھود:۔۸۰

بنی اسرائیل میں اہل ایمان جناب طالوت کی سرکردگی میں وقت کے جابر "جالوت" اوراس کی فوج سے نبرد آزما ہورہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر حضرت داوٗد علیہ السلام کے ذریعے اہل ایمان کی نصرت فرمائی جس کا ذکر قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ﴾[1]

"پس اہل ایمان نے اللہ کے حکم سے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور حضرت داوٗد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا اور ہم حضرت داود کو ملک عطا کیا"۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ سباء کو اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں اس کے قاصد کو یوں دھمکی آمیز لہجے میں فرمایا:

﴿اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾[2]

"جاؤ ان کی طرف واپس لوٹ جاؤ۔ ہم ان کے اوپر وہ لشکر لائیں گے جن کے مقابلے کی طاقت ان میں نہ ہوگی اور ہم انہیں ذلیل ورسوا کرکے وہاں سے ان کو نکال دیں گے"۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جوش دلاتے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیر اندازی کو بطور نمونہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

((ارموا بنی اسماعیل فان اباکم رامیا))[3]

---

[1] البقرۃ:۲۵۱۔

[2] النمل:۳۷۔

[3] صحیح البخاری،ج:۱۰،ص:۳۰، رقم الحدیث:۲۶۸۴۔

"اے بنی اسماعیل! خوب تیر چلاؤ، تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام بھی تیر انداز تھے"۔

خود نبی کریم ﷺ نے اپنے مقصد بعثت کو یوں بیان فرمادیا:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لااله الا الله وأن محمداً رسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة فاذا فعلوا ذلك عصموا منى دماء هم وأموالهم الا بحقّها وحسابهم على الله)) [1]

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ "لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی گواہی نہ دیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے تو ان کا مال اور جان محفوظ ہے سوائے اس حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔"

چناچہ قرآن وسنت کے درج بالا بیان کردہ "نبیوں اور رسولوں والا کام" کے شرعی مفہوم کو اختیار کرنے کا حکم تمام مسلمانوں کو بھی دیا گیا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ [2]

" اے مسلمانوں! ہم نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی وصیت کی تھی ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اور جس کی وحی کی ہے (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کی طرف اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اس دین کو قائم کرو اور دین کے معاملے میں پھوٹ نہ ڈالو۔"

---

[1] صحیح البخاری، ج:۱، ص:۱۷، رقم الحدیث:۲۵۔

[2] سورۃالشوریٰ :۱۳۔

کتاب ''کلمۃ الھادی الی سواء السبیل'' کے مؤلف مفتی محمد عیسیٰ خان اپنے استاد اور معروف دیوبندی عالم مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے نقل کرتے ہیں:

''تبلیغی جماعت والے بڑا ادعا کرتے ہیں کہ ان کا کام سب سے فائق اور پیغمبروں کا کام ''اصلی کام'' ہے۔ دعوت و تبلیغ (قرآن و سنت کے بیان کردہ اپنے اصل مفہوم کے ساتھ) بلاشبہ اسلام کا ایک رکن اور اصول ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام مخلصین پیروکاران انبیاء یہ کام کرتے رہے ہیں، لیکن تمام دین کا انحصار صرف تبلیغ میں ماننا اور باقی شعبوں کو بالکل نظر انداز کر دینا اور یہ سمجھنا کہ یہ باقی (امور) تو دین کے کام ہی نہیں، دین کا کام تو بس یہی ہے جو ہم کرتے ہیں۔ چھ نکات کی تبلیغ، گشت کا عمل، چلہ، چار ماہ، سہ روزہ، جمعرات کا اجتماع، شش ماہی جوڑ، سالانہ ایک بڑا عظیم اجتماع، جماعتوں کی ملک بہ ملک، شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ روانگی، بس یہی دین ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم و تدریس، مساجد کی امامت و خطابت، تصنیف و تالیف، مدارس دینیہ اور تعلیم گاہوں کا قیام و اجرا، سیاست ملیہ میں حصہ لینا یا اس کے لئے تنظیم کرنا یا باطل فرقوں کا مقابلہ کرنا، تقریر و تحریر سے ان کا جواب دینا یا بالفعل دشمنان دین کے ساتھ ''جنگ'' کرنا، یہ تمام امور ان کے نزدیک نصاب سے خارج ہیں''۔ [1]

چنانچہ ثابت ہوا کہ ''نبیوں اور رسولوں والا کام'' صرف فضائل کی تبلیغ پر منحصر نہیں۔ تمام انبیاء و رسل نہ صرف یہ کہ دین اسلام قبول کر کے اس پر چلنے والوں کو بشارت دینے والے تھے اور دین اسلام کو قبول نہ کرنے یا اس کے برخلاف عمل کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے تھے بلکہ بذریعہ ''قتال'' دین اسلام کا نفاذ بھی ان کی بعثت کا اولین مقصد ہوتا تھا۔ لہٰذا اب جو فرد یا جماعت اپنے کوشش اور سعی کو ''نبیوں اور رسولوں والا کام'' قرار دے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بنیادی مقاصد میں بشارت و انذار (جس کو زبانی دعوت کہتے ہے) کے ساتھ ساتھ بذریعہ قتال (جس کو دعوت قہریہ کہتے ہے) دین اسلام کا بالفعل نفاذ بھی شامل ہو ورنہ ایسے فرد یا جماعت کا حقیقت میں ''نبیوں اور رسولوں والے کام'' سے کوئی تعلق نہیں۔

---

[1] کلمۃ الھادی الی سواء السبیل'' ص: ۲۱۸۔

﴿تیسری اصطلاح﴾

"اللہ کے راستے کی محنت"

"اللہ کے راستے کی محنت" کے بارے میں اکابرین تبلیغی جماعت کے نظریات:

تبلیغی حضرات کے اکابرین سے لے کر عام احباب تک عموماً ایک جملہ "اللہ کے راستے کی محنت "جس کا عربی ترجمہ "فی سبیل اللہ" بنتا ہے، استعمال کرتے ہیں اور اس کا استنباط اپنی مروجہ تبلیغی مساعی پر کرتے ہیں اور پھر اسی بنیاد پر نہ صرف "جہاد فی سبیل اللہ" سے متعلق آیات و احادیث کو بھی اپنی مروجہ تبلیغی مساعی پر منطبق کرتے ہوئے اس کو جہاد کا اعلیٰ درجہ سمجھتے ہیں بلکہ "جہاد فی سبیل اللہ" کی شرعی اصطلاح کو صرف "قتال" کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے بلکہ اس کو نفس اور شیطان کے خلاف جہاد اور اپنی مروجہ تبلیغی اسفار پر بھی منطبق کرتے ہیں۔

اکابر تبلیغی جماعت مولانا زکریا صاحب مرحوم فرماتے ہیں:

"جہاد کے لغوی معنی مشقت اٹھانے کے ہیں اور شرعاً مشقت کا اُٹھانا کفار کے (ساتھ) قتال میں بھی اور اس کا اطلاق "مجاہدہ نفس" پر بھی ہوتا ہے اور شیطان سے مجاہدہ پر بھی ہوتا ہے"۔[1]

مزید کہتے ہیں:

"اللہ کا راستہ (یعنی فی سبیل اللہ) جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص نہیں ہے"۔[1]

---

[1] تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات، ص:٦۔

”اہل علم سے بڑا تعجب ہے کہ وہ ”فی سبیل اللہ “کے لفظ کو ”جہاد بالقتال “کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں جبکہ نصوصِ قرآنیہ اوراحادیث کثیرہ اس کے ”عموم“پر دلالت کرتی ہیں“۔[2]

پھر اپنی مروجہ تبلیغ کے لئے کئے جانے والے سفر پر ”جہاد فی سبیل اللہ“کی شرعی اصطلاح سے متعلق وارد شدہ آیات واحادیث کو منطبق کرتے ہوئے ان تبلیغی اسفار کو جہاد فی سبیل اللہ کا”اعلیٰ درجہ“قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”کسی کی طرف سے یہ مضمون سنتاہوں کہ تبلیغ والے ”خروج فی سبیل اللہ“میں جو جہاد کے ساتھ مخصوص ہے ”خروج للتبلیغ“کو شامل کرتے ہیں تو (اُس پر) مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے۔بحر حال اس سیہ کار کے نزدیک تو”خروج فی سبیل اللہ“ کی آیات و احادیث میں یہ (تبلیغی جماعت کے)لوگ اپنے تبلیغی اسفار کو داخل کریں تو نہ کوئی اس میں اشکال ہے نہ تردد ہے، اور جہاں تک اس کو تاہ نظر کی معلومات کا حاصل ہے وہ مفسرین محدثین کی کلام میں” فی سبیل اللہ“کا لفظ ”قتال“کے ساتھ مخصوص نہیں پایا۔اس لئے اہل تبلیغ کا ان آیات اور روایات سے ”خروج للتبلیغ“،جو ”فی سبیل اللہ“کا اعلیٰ فرد(درجہ) ہے ،پر استدلال کرنابے محل نہیں ہے“۔[3]

اسی طرح اکابر تبلیغی جماعت مولانا جمشید صاحب تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کو”اللہ کے راستے“ میں نکلنے سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[1]تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات،ص:۱۱۔
[2]تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات،ص:۱۱۔
[3]تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات،ص:۱۵۔

"تو غیر اللہ سے ہونے کا یقین دل سے نکالو اور اللہ ہی سے ہونے کا یقین دل میں ڈالو اور اس کا راستہ ہے "دعوت"۔(لہٰذا) "اللہ کے راستے "میں وقت لگاؤ، باہر کے ملکوں کی جماعت بناؤ، گھر گھر، دروازے دروازے پر جاؤ"۔[1]

اسی طرح اکابر تبلیغی جماعت مولانا فہیم صاحب تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کو "اللہ کے راستے" میں نکلنے سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"کل سارا مجمع ہدایات کو سنے گا انشاء اللہ! یہ نہ ہو کہ ادھر ہدایات شروع ہوئی اور ادھر جو جماعتیں آگے بیٹھی ہوئی ہیں وہ تو سن رہی ہیں، باقی سب کوئی ناشتہ میں، کوئی برتن سمیٹنے میں، کوئی چیزوں کو سمیٹنے میں، نہیں بھائی نہیں یہ بڑا نقصان ہے۔ اللہ کی اور اللہ کے رسول کی بات صرف "اللہ کے راستے میں نکلنے والوں" کے لئے نہیں ہے۔ جو "اللہ کے راستے" میں نکلے ہیں، یہ تو بہت قابل قدر ہیں، ان کو دیکھنا بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ ان کی زیارت کرتے رہنا اور وہ بات کو سننا جو ان سے کہی جا رہی ہے"۔[2]

مولانا طارق جمیل صاحب کہتے ہیں:

"تبلیغ والے "آیاتِ جہاد" کو تبلیغ پر فٹ کرتے ہیں ۔(اس پر اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ) تمہارے ذہن میں تبلیغ کے بارے میں وہ عظمت نہیں ہے، وہ ہیبت نہیں ہے جو کہ ہونی چاہیے تھی"۔

چنانچہ ان تمام اقوال کے پیش نظر اس بات کا جان لینا ضروری ہو گیا ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں "اللہ کا راستہ" یعنی "فی سبیل اللہ" یا "جہاد فی سبیل اللہ" سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے متعلق آیات

---

[1] کراچی اجتماع۔۲۸ جولائی، ۲۰۰۷۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر، کراچی۔

[2] اسلام آباد اجتماع۔ اگست، ۲۰۰۹۔ بحوالہ سرحد اسلامی کیسٹ ہاؤس، راولپنڈی۔

واحادیث کا کسی ایسی جدوجہد یا کوشش پر انطباق کرنا جس کا فی الواقع جہاد فی سبیل اللہ سے جانی، مالی یا زبانی طور پر کسی صورت واسطہ نہ ہو، کہاں تک درست ہے............؟

اس سلسلے میں جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے قرآن و حدیث کی بنیادی نصوص اور سلف وصالحین کی بیان کردہ "شرعی واصطلاحی" معانی کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ امت مسلمہ میں جب بھی کوئی جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق بات کرے تو اس کے شرعی معانی ہماری نظر میں رہیں۔ اب چند تعریفات آپ کے سامنے پیش خدمت ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زبانی "جہاد فی سبیل اللہ" سے مراد:

سب سے پہلے میں حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے کی گئی جہاد کی تعریف سن لیجئے:

((قال فای الهجرة افضل؟قال الجهاد، قال وماالجهاد؟قال ان تقاتل الكفاراذا لقيتهم ولاتغل ولا تجبن))[1]

"(ایک) صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے افضل ہجرت کون سی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہترین ہجرت جہاد کی ہجرت ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ جہاد کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "جہاد یہ ہے کہ تم بوقت مقابلہ کفار سے لڑو اور اس راستے میں خیانت نہ کرو اور نہ بزدلی دکھاؤ"۔

((قيل وماالجهاد ؟قال ان تقاتل الكفاراذالقيتهم ـ قيل فاى الجهاد افضل؟قال من عقر جواده واهريق دمه))[2]

---

[1] کنزالعمال، ج:۱، ص:۷۲۔ مجمع الزوائد، ج:۱، ص:۵۹ ورجالہ ثقات۔

[2] مسند احمد، ج:۳۴، ص:۳۹۷، رقم الحدیث:۱۶۴۱۳۔ کنز العمال ج:۱، ص:۲۷ ورجالہ ثقات۔

''پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! جہاد کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاد یہ ہے کہ تم مقابلے کے وقت کفار سے لڑو، کہا گیا افضل ترین جہاد کون سا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کا جہاد جس کا گھوڑا کٹ مرے اور خود اس کا بھی خون گر جائے (یعنی وہ شہید ہو جائے)''۔

((من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله))[1]

''جس نے جنگ کی اس لئے کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند ہو جائے تو وہ ہی ہے اللہ کی راہ میں''۔

''جہاد فی سبیل اللہ'' کے شرعی معانی فقہاء کرام کی نظر میں:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''الجهاد بكسر الجيم اصله لغة هو المشقة وشرعاً بذل الجهد في قتال الكفار''۔[2]

''جہاد کسرۂ جیم کے ساتھ لغت میں بمعنی محنت و مشقت ہے اور اصطلاحِ شریعت میں کفار سے لڑنے میں اپنی پوری طاقت کو استعمال کرنے کا نام جہاد ہے''۔

''الجهاد هو القهر الاعداء أي المحاربة مع الكفار''۔[3]

''دین کے دشمنوں کو مغلوب کرنے کے لئے کفار سے لڑنے کا نام جہاد ہے''۔

''الجهاد أي قتال في سبيل الله''

---

[1] صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٠٩، رقم الحديث:١٢٠۔ صحيح مسلم، ج:١٠، ص:٦، رقم الحديث:٣٥٢٥۔

[2] الفتح الباري لابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ج٦ ص٤۔

[3] شرح شرعة الاسلام ص٥١٧۔

''جہاد کے معنی قتال کرنا اللہ کی راہ میں''۔[1]

''قتال الكفار''[2]

''جہاد کفار سے قتال کا نام ہے''۔

علامہ ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''الجهاد: دعوة الكفار الى الدين الحق وقتالهم ان لم يقبلوا''۔[3]

''دین حق کی طرف دعوت دینا اور اگر وہ قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کرنا''۔

علمائے اصول فرماتے ہیں:

''الجهاد دعوة قهرية فتجب اقامة بقدر الامكان حتى لايبقى الامسلم او مسالم''[4]

''جہاد قوت وغلبہ کے ذریعے دعوت پھیلانے کا نام ہے۔پس جہاد کو استطاعت بھر قائم کرنا فرض ہے یہاں تک کہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے جو مسلمان نہ ہو یا پھر مسلمانوں سے مصالحت (یعنی جزیہ دینے پر) آمادہ نہ ہو چکا ہو۔''

صاحبِ ''مجمع الانھر'' فرماتے ہیں:

---

[1] امام الباجوری ،ابن القاسم ج٢ص٦٢١۔

[2] مطالب أولى النهى ج ٢ ص ٤٩٧۔

[3] فتح القدير ،ج:٥،ص:١٨٧۔

[4] حاشية الشروانى وابن القاسم على تحفة المحتاج على المنهاج : ٩/٢١٣۔

''والمراد الاجتهاد فی تقوة الدین بنحو قتال الحربیین ، والزمیین، والمرتدین الذین هم أخبث الکفار لانکار بعدالایمان، والباغین''[1]

''گویا جہاد سے مراد یہ ہے کہ دین کی تقویت کی خاطر جہاد کرتے ہوئے حربی کافروں سے قتال کرنا، (معاہدہ شکن) ذمیوں سے قتال کرنا، ''مرتدین'' سے قتال کرنا جو در حقیقت کفار کی خبیث ترین قسم ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان لانے کے بعد اس کا انکار کیا اور اسی طرح باغیوں سے''۔

جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق چند ضروری وضاحتیں:

اس ضمن میں ایک ضروری اور اساسی بات سمجھنے کی ہے ''جہاد'' کے لغوی معنی تو ''بھرپور محنت، کوشش اور جدوجہد'' ہی کے ہیں لیکن شریعت کی اصطلاح میں ''جہاد فی سبیل اللہ'' سے مراد ''بذل الجهد فی قتال الکفار'' یعنی کفار کے خلاف جنگ میں اپنی پوری قوت کھپا دینا ہے۔ لفظ ''فی سبیل اللہ'' کے الفاظ قرآن وحدیث میں جہاں مطلقاً استعمال ہوئے ہیں، اس کے یہی معنی ہے۔

لفظِ ''فی سبیل اللہ'' یا ''جہاد فی سبیل اللہ'' جب بھی ہمارے سامنے آئے گا مطلقاً اس سے قتال مراد لیا جائے گا۔ اگرچہ قرآن وحدیث میں بعض جگہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں بھی آیا ہے۔ لیکن چند جگہوں پر لفظ' فی سبیل اللہ'' یا ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا لغوی استعمال اس کے اصلی اصطلاحی معنی کو نہیں بدلتا اور نہ ہی اس سے جہاد فی سبیل اللہ کی مشروعیت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس کے لغوی معنی پر احکامات کا استنباط کریں گے تو پھر کوئی بھی شخص ''صلوۃ'' کو کبھی اپنی مرضی سے دُعاء مراد لے گا اور کبھی نماز لے گا، لفظ ''زکوٰۃ'' کو کبھی اپنی مرضی سے تزکیہ مراد لے گا اور کبھی اگر دل چاہے گا تو شریعت کی طرف سے مقرر کردہ زکوٰۃ مراد لے لے گا اور اسی طرح ''حج'' کو کبھی اپنے گھر کے قصد

---

[1] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر: کتاب السیر۔

کے لیے قیاس کرلے گا اور کبھی اس کو "حج بیت اللہ" مراد لے لے گا۔ لہٰذا دین میں کسی بھی چیز کی ایسی تعریف جو کہ اس کی شرعی و اصطلاحی تعریف سے متصادم ہو تو یہ بات دین میں "فساد" کا باعث ہے اور تحریف کے مترادف ہے جس سے بچنا ہر مسلمان کے لئے واجب ہے۔

اسی طرح یہاں شریعت کا یہ اصول بھی پیش نظر رہے کہ احادیث مبارکہ میں وارد کسی بھی عمل پر ارکان اسلام یا جہاد فی سبیل اللہ کے مثل ثواب کے بیان کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ رکن یا فرض اُس عمل کے کرنے کی وجہ سے ادا ہو گیا مثلاً ماں باپ کو ایک دفعہ شفقت بھری نگاہ سے دیکھنے پر حج کے مثل ثواب بیان کیا گیا لیکن یہ عمل کرنے سے حج کی "فرضیت" اپنی جگہ برقرار رہتی ہے اور اس کی فرضیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی بھی عمل پر اگر جہاد فی سبیل اللہ جیسا ثواب بیان کیا گیا تو اس کو اختیار کرنے سے کسی شخص پر جہاد کی "فرضیت" ساقط نہیں ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص ان ارکان یا فرائض سے غفلت برتے اور ان کی ادائیگی کے بجائے وہ اعمال جن پر ان فرائض کی ادائیگی کے مثل ثواب بتلایا گیا ہے، اُن ہی پر عمل کو کافی سمجھے تو اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ ان فرائض کی عدم ادائیگی کے نتیجے میں اُن اعمال (مثلاً ماں باپ کو شفقت سے دیکھنے) پر ملنے والا ثواب بھی ضائع ہو جائے بلکہ ان فرائض کے تارک ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عتاب و عذاب کا مستحق ٹھہرے۔

اسی طرح ایک ضروری بات یہ بھی سمجھ لیں کہ جہاد کی تعریف میں بعض علماء نے جہاد کی بعض انواع کا ذکر بھی کیا ہے یعنی ایک نوع جہاد بالمال ہے، دوسری نوع جہاد باللسان ہے اور تیسری نوع جان سے جہاد کرنا ہے۔ غرض یہ ہے کہ "جہاد باللسان" وہ ہے کہ جس سے جہاد کا فائدہ ہو یعنی جہاد کی ترغیب ہو، تقریر ہو، فضائل جہاد کا تذکرہ ہو، جہاد سے متعلق جوشیلے اشعار ہوں اور جاندار نظمیں ہوں، کفار کو دھمکی ہو، للکار ہو۔

یہ جہاد باللسان ہے، نہ یہ کہ دو گھنٹے کی تقریر و بیان کھانے پینے اور پہننے کے آداب پر ہو یا عبادات کے "فضائل" پر اور پھر کہا جائے کہ میں نے جہاد باللسان کیا۔ یہ نیک کام تو ہو سکتا ہے لیکن جہاد باللسان

نہیں۔اسی طرح "جہاد بالمال" یہ ہے کہ آپ کے مال سے میدانِ جہاد اور مجاہدین کو فائدہ پہنچے، نہ یہ کہ آپ نے کسی فقیر کو پیسہ زکوٰۃ ادا کیا اور پھر کہا کہ میں نے جہاد بالمال کیا، یہ نیک کام تو ہے لیکن جہاد بالمال نہیں۔امام کاسانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بذل الواسع والطاقة بالقتال في سبيل الله عزوجل بالنفس والمال وغير ذلك"[1]

"اللہ کے راستے میں قتال کے لئے نفس، مال اور زبان وغیرہ کی پوری طاقت لگا دینا"۔

غرضیکہ ہر وہ کوشش جو کہ جہاد فی سبیل اللہ کی مدد و نصرت کے لئے کی جائے، چاہے وہ جہاد کے لئے لوگوں کو زبان سے تیار کرنا ہو، یا مجاہدین کے لئے سامانِ حرب و رسد کا فراہم کرنا ہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((جاهدو المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم))[2]

"مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں کے ساتھ، اپنی جانوں کے ساتھ اور اپنی زبانوں کے ساتھ"۔

((ان الله عزوجل يدخل بالسهم الواحد ثلاثة نفر الجنة ؛ صانعه الذي يحتسب في صنعته الخير ، والذي يجهز به في سبيل الله ، والذي يرمي به في سبيل الله))[3]

---

[1] امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ، بدائع ج:۹ص:۴۲۹۹۔

[2] مسند احمد، ج:۲۴،ص:۳۴۴، رقم الحدیث:۱۱۷۹۸۔

[3] مسند احمد، ج:۳۵،ص:۲۰۹، رقم الحدیث:۱۶۶۹۹۔

"بے شک اللہ عزوجل ایک تیر سے تین بندوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں۔ تیر بنانے والا جو اسے بنانے میں بھلائی کا ارادہ رکھتا ہو، اللہ کی راہ میں وہ تیر (مجاہد کو) مہیا کرنے والا ، اور اللہ کی راہ میں وہ تیر چلانے والا"۔

مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب، الاستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، اپنی کتاب "جنگ خندق" فرماتے ہیں:

"بنیادی طور پر یہ بات جان لینی چاہیے کہ کسی حکم کی "شرعی حیثیت" اور اس کا "شرعی مقام" اس کی شرعی تعریف سے معلوم ہو سکتا ہے۔ "لغوی مفہوم" پر "شرعی احکام" کا مدار نہیں ہوتا .... بالکل اسی طرح لفظ "جہاد" ہے۔ اس مظلوم لفظ کا لغوی مفہوم تو "محنت" ہے لیکن اس کا ایک شرعی مفہوم ہے اور اس کی ایک اصطلاحی تعریف ہے۔ اب اس شرعی مفہوم کو چھوڑ کر اس کے لغوی مفہوم کو عام کرنا اور اس کی آڑ لے کر شرعی جہاد سے پہلو تہی کرنا اور اس میں سستی کرنا اور طرح طرح کی تاویلات میں عوام الناس کو الجھائے رکھنا، جہاد پر ظلم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی بدخواہی اور کافروں کی خیر خواہی کے مترادف ہو گا جس سے ہر مسلمان کو احتراز لازم ہے"۔

مزید فرماتے ہیں:

"جان سے جہاد یہ ہے کہ اس جان کو میدان جہاد میں لگا دو اور اس مقدس عمل میں اسے کھپا دو۔ "جہاد بالنفس" یہ ہے کہ جس میں نفس واسطہ اور ذریعہ و آلہ بن جائے اس میدان جہاد کے لئے! نہ یہ کہ میدانِ جنگ تو خواب میں بھی نہ دیکھا ہو اور کہتا پھرتا ہو کہ میں مجاہد ہوں، جہاد کر رہا ہوں، اور اگر ہر نیک عمل کرنے والے کو آپ "مجاہد شرعی" کہیں گے تو پھر یقیناً ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ "اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں اجر عظیم عطا فرمایا ہے" کا مفہوم سمجھنا محال ہو جائے گا کہ مجاہد

کا درجہ بیٹھنے والے کے مقابلے میں بڑا ہے، کیونکہ بیٹھنے والے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جن کے اعمال سو فیصد صحیح تھے، تہجد گزار تھے، روزے دار تھے۔ ہر عبادت میں مشغول تھے ،ان کو اس حالت میں ''مجاہدین'' کیوں نہیں کہا گیا، بلکہ مجاہدین سے ان کو خارج کیوں کیا ؟اور صرف اُن کو مجاہدین کیوں قرار دیا گیا جو کفار کے مقابلے میں نکلے تھے؟ معلوم ہوا کہ میدانِ جہاد میں جانے والا مجاہد ہوتا ہے، ہر عابد مجاہد نہیں ہوتا!(چنانچہ)میرے بھائی اور میرے دوست!''جہا دشرعی''کرنے والے کو مجاہد کہو۔''جہادِ لغوی''یعنی کسی ''نیک محنت''،جس میں جہاد جیسا ثواب مل جاتا ہو، تو یہی غنیمت ہے کہ جہاد کے ثواب کی طرح ان کو ثواب حاصل ہو گیا، نہ یہ کہ خود بخود مجاہد بن گیا کہ جہاز کے قریب بھی نہ گیا ہو اور پائلٹ بن گیا۔ آج کل تو اس مقدس لفظ (جہاد) کو کھیل تماشہ بنایا جارہا ہے، کہتے ہیں کہ مچھر کے خلاف جہاد ،ملیریا کے خلاف جہاد، ناخواندگی کے خلاف جہاد، مہنگائی کے خلاف جہا وغیرہ وغیرہ۔ اور کبھی یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ امریکا کے خلاف جہاد، روس کے خلاف جہاد ،ہندوستان کے خلاف جہاد، ہر سرکش، طاغوت، کافر، مشرک کے خلاف جہاد!''۔

کتاب ''کلمة الهادی الی سواء السبیل'' کے مؤلف مفتی محمد عیسیٰ خان مولانا سید احمد بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام نقل کرتے ہیں:

''جہاد کی جو عظیم الشان عظمت و کرامت شریعت کی نظر میں ہے، یہاں تک کہ جہاد میں نکلنے پر ایک نیکی کا ثواب سات لاکھ گنا تک وارد ہے، وہ اس لئے ہے کہ ''جہاد'' کہتے ہیں کلمۃ اللہ کو بلند کلمۂ کفر و شرک کے سرنگوں کرنے کو، نفس و نفیس کو خیر باد کہہ کر ہمیشہ کے لئے گھر سے نکلنے کو۔ تب اس کا ثواب اتنا بڑا ہے کہ دوسری کسی عبادت کا ثواب اس قدر نہیں۔ مثلاً جہاد کے وقت ایک روپیہ صرف کرنے کا ثواب سات لاکھ روپے کے برابر ہے۔ اس زمانے میں عام طور سے ہماری ''تبلیغی جماعت'' کے افراد علماء و عوام کے ذہن میں یہ بات آگئی ہے کہ تبلیغ کے لئے نکلنے پر بھی ہر نیکی کا ثواب سات لاکھ کے حساب

سے ملے گا، کیونکہ وہ بھی مثل جہاد کے ہے۔ اوّل تو کسی کو شارع علیہ السلام کا منصب اختیار کر کے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ فلاں عمل چونکہ فلاں عمل سے مشابہ ہے، اس لئے ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔ پھر جب کہ قرآن و حدیث کے مجموعہ مطالعہ سے "جہاد فی سبیل اللہ" اور دوسرے اعمال کا فرق زمین و آسمان کا معلوم ہوتا ہے۔ ذروۃ سنامہ الجہاد۔ جہاد دین کے سب اعمال میں سے چوٹی کا عمل ہے جس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بغیر اعلاء کلمۃ اللہ کے دوسرے اعمال کی ادائیگی کی شان نہایت گری ہوئی ہے"۔ [1]

کتاب "کلمۃ الهادی الی سواء السبیل" کے مؤلف فرماتے ہیں:

"(تبلیغی جماعت کے) یہ لوگ جب اپنے مروجہ تبلیغی سفر پر نکلتے ہیں تو یہ آیت پڑھتے ہیں: ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً وَجَاہِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ﴾ التوبۃ:۴۱۔ "نکلو ہلکے پھلکے اور بھاری بوجھل اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے"۔ گویا یہ بدر، احد، غزوۂ تبوک کے مجاہد اور غازی جارہے ہیں (کہ) قرآنی آیات احادیث کی صریح نصوص جو قتال فی سبیل اللہ میں نازل ہوئی ہیں، ان کو اپنی مروجہ تبلیغ پر فِٹ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں صحابی فلاں ملک میں دعوت و تبلیغ کے لئے گئے (تو) انہیں شہید کر دیا گیا۔ مروجہ تبلیغ کا درجہ اور ثواب جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہتے ہیں کہ "قتال میں جانیں ضائع ہوتی ہیں، تبلیغ کا انداز مثبت ہے اس میں جانیں تلف نہیں ہوتیں۔" [2]

پس ثابت ہوا کہ "اللہ کے راستے کی محنت" یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے "شرعی تعریف" سے مراد قتال فی سبیل اللہ یا اس کے متعلقہ شعبہ جات ہیں مثلاً زبان اور مال کے ذریعے اس کو تقویت پہنچانا

[1] کلمۃ الهادی الی سواء السبیل، ص:۲۱۷۔

[2] کلمۃ الهادی الی سواء السبیل، ص:۲۱۶۔

اوراس کی مدد ونصرت کرنا ہے۔ لہذا کوئی سی بھی کوشش اور سعی جس کا ''قتال فی سبیل اللہ'' سے جانی، مالی اور زبانی طور پر کوئی تعلق نہ ہو تو اس کو ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی شرعی تعریف میں شامل سمجھنا دین اسلام کے بنیادی نصوص سے انحراف کے سوا کچھ نہیں۔ دیوبند مکتبہ فکر کے مشہور عالم دین مولانا محب النبی صاحب دارالعلوم مدنیہ، لاہور کتاب ''کلمة الهادی الی سواء السبیل'' کی تقریظ میں فرماتے ہیں:

''جہاد و قتال کا عمل جو کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اتباع میں سلف صالحین کی سوچ اور عمل سے ایک ''متعین'' شرعی شکل اختیار کر چکا ہے، اس کو یا اس عمل کے اجر کو کسی اور عمل پر منطبق کرنا دینی سمجھ کی کوتاہی اور تحریف جیسے جرم تک پہنچانے والی چیز ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر امتی کو ہر قسم کی گمراہی سے بچائے اور ہمیشہ خیر کی توفیق عطا فرمائے اور دائمی قبولیت سے نوازے، آمین وثم آمین''۔[1]

مطلق جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق احادیثِ مبارکہ کے الفاظ میں ردو بدل کرنا:

ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ وہ احادیث مبارکہ جن کا تعلق ہوتا ہی ''جہاد فی سبیل اللہ'' سے متعلق ہے تبلیغی جماعت کے اکابرین واحباب اس کو نقل کرتے ہوئے اکثر اس طرح سے بیان کرتے ہیں جس کا سننے والا واضح طور پر یہ مطلب لیتا ہے کہ ان احادیث کا تعلق جہاد وقتال سے نہیں بلکہ تبلیغ کے لئے گھر گھر دروازہ کھٹکھٹانے اور لوگوں کے سامنے التجائیں اور منتیں کرنے سے ہے۔ اسی بات کو دیوبند مکتبہ فکر کے معروف عالم دین مولانا حسین شاہ صاحب سابق مدرس مدرسہ عربیہ خضدار بلوچستان کتاب ''کلمة الهادی الی سواء السبیل'' کی تقریظ میں لکھتے ہیں:

[1] کلمة الهادی الی سواء السبیل، ص: ۳۴۔

"کافی عرصے سے تبلیغی جماعت کو قریب سے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا تو محسوس ہوا کہ "مروجہ تبلیغی جماعت" اہل سنت وجماعت کے مسلک و مزاج اور اصولوں سے منحرف ہوتی جارہی ہے اور اس کی "غلط تاویلات" اور تجاوزات کی نشان دہی کرنے والا کوئی نہیں۔ یااللہ !کوئی ایسا مجاہد پیدا فرماجو امت کو مسلمہ کو اس "بڑے فتنے" سے آگاہ کرسکے"۔[1]

دیوبند مکتبہ فکر کے عالم کبیر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک وعظ میں تبلیغی جماعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ان کے بارے میں یہ خبر بھی مشہور ہے کہ "مسلح جہاد" کے بارے میں قرآن و حدیث میں جو واضح ارشادات ہیں، یہ انہیں توڑ مروڑ کر تبلیغ پر چسپاں کررہے ہیں تو یہ قرآن میں تحریف ہے جو کہ "صریح کفر" ہے"۔[2]

چناچہ اس طرح کی غلط تاویلات سے متعلق ذیل میں چند مثالیں اور ان سے متعلق حدیث کا اصل متن پیش خدمت ہے۔

- اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپور والے کہتے ہیں:

"اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اپنی امت کو سمجھا کر جاؤ کہ آپ کی امت اگر اس (دعوت کی) ذمہ داری کو پورا کرتی ہے تو ان کی دعائیں ویسے قبول کروں گا جیسے نبیوں کی ہے! اور ان کی نصرت میں ویسے کروں گا جیسے میں نے نبیوں کی ہے! ان کو کفار پر ویسے غالب کروں گا جیسے میں نے نبیوں کو غالب کیا ہے! یہ

---

[1] کلمة الهادی الی سواء السبیل، ص: ۲۲۔

[2] وعظ بعنوان "دینی جماعتیں"، صفحہ ۵۳۔ ناشر الرشید۔

وعدہ آپ کے مسلمان ہونے پر نہیں ہے، "صاحبِ دعوت" ہونے پر ہے اور دوسری حدیث میں پھر کہدیا کہ یہ بھی سمجھادیں کہ اگر اس (دعوت) کی ذمہ داری کو پورا نہیں کرتے تو کفار تم پر چڑھ دوڑیں گے، تم یااللہ یااللہ پکارتے رہو گے اور میں تمہاری شکل دیکھنے کو تیار نہیں، دعاء کہاں سے قبول کروں گا؟ اس کے بعد کیا چیز باقی رہ جاتی ہے، پھر بھی انسان کہے کہ "یہ بھی ہو سکتا ہے اور وہ بھی ہو سکتا ہے"۔[1]

مولانا صاحب نے یہاں رسول اللہ ﷺ سے منسوب دو قول ذکر کئے۔ جس پہلے قول کی نسبت وہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف کررہے ہیں حسبِ عادت نہ تو اس کی کوئی سند پیش کی اور نہ ہی اس سلسلے میں انہوں نے کسی کتاب کا حوالہ پیش کیا۔ اللہ علیم وخبیر ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے درج بالا قول رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے کونسی کتبِ احادیث میں پڑھا ہے؟ اگر پڑھا ہے تو اس کو وضاحت ہو اور اگر اس حدیث کا کوئی حوالہ نہیں ہے بلکہ اس قول کو ایسے ہی نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے تو علماء کرام اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ کسی بھی قول کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا جبکہ وہ آپ ﷺ کا قول نہ ہو تو حدیث کی رو سے یہ دراصل اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانے کے مترادف ہے۔

البتہ احادیث مبارکہ میں جن لوگوں کی دعاؤں کی قبولیت کا ذکر ہے ان میں سے ایک "غازی فی سبیل اللہ" یعنی اللہ کی راہ میں لڑنے والا بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وفد اللّٰه عزوجل ثلاثة الغازی والحاج والمعتمر))[2]

---

[1] کراچی اجتماع۔۳۱ اکتوبر، ۲۰۱۰۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[2] سنن النسائی، ج:۱۰، ص:۱۷۴، رقم الحدیث: ۳۰۷۰۔ کنز العمال، ج:۴، ص: ۲۸۲ رقم الحدیث: ۱۰۴۹۸۔ المستدرك علی الصحیحین للحاکم، ج:۴، ص:۱۵۵ رقم الحدیث: ۱۵۶۳ اهذ حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه۔

"تین قسم کے وفود دراصل "اللہ کا وفد" ہیں، اللہ کے راہ میں لڑنے والا، حاجی اور عمرہ کرنے والا"۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "صحیح ابن حبان" میں پہلے یہ باب باندھتے ہیں (ذکر البیان بأن المجاهدین من وفدا للہ الذین دعاهم فأجابوه) اور پھر یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

((الغازى فى سبيل الله ،والحاج الى بيت الله، والمعتمر وفد الله دعاهم فأجابوه))[1]

"اللہ کی راہ میں لڑنے والا، بیت اللہ کی طرف حج کا قصد کرنے والا اور عمرے کی نیت سے جانے والا (یہ تینوں) اللہ کا وفد ہیں جب یہ دعاء مانگتے ہیں اللہ ان کی دعاء فوراً قبول کرتا ہے"۔

((الغازى فى سبيل الله والحاج والمعتمر وفد الله،دعاهم فأجابوه وسألوه فأعطاهم))[2]

"اللہ کی راہ میں لڑنے والا، بیت اللہ کی طرف حج کا قصد کرنے والا اور عمرے کی نیت سے جانے والا (یہ تینوں) اللہ کا وفد ہیں جب یہ دعاء مانگتے ہیں اللہ ان کی دعاء فوراً قبول کرتا ہے اور جو کچھ اس سے مانگتے ہیں وہ ان کو عطا کرتا ہے"۔

---

[1] صحيح ابن حبان ،ج:١٩،ص:٢٣٢، رقم الحديث:٤٦٩٧۔ موارد الظمآن ،ج:١،ص:٢٤٠۔

[2] سنن ابن ماجة ،ج:٨،ص:٤٤٠، رقم الحديث:٢٨٨٤۔شعب الايمان للبهيقى،ج:٩ص:١٤٦رقم الحديث:٣٩٥٤۔مصنف ابن ابي شيبة،ج:٤،ص:١٩١۔كنز العمال،ج:٤ص:٣٠٢رقم الحديث:١٠٦٠٢۔

((وفد الله ثلاثة الحاج والمعتمر والغازی، أولئك الذین یسألون الله فیعطیهم سؤالهم))[1]

"تین قسم کے وفود دراصل "اللہ کا وفد" ہیں، اللہ کے راہ میں لڑنے والا، حاجی اور عمرہ کرنے والا"۔

اسی طرح بعض احادیث میں نبیوں اور رسولوں کی طرح دعائیں قبول کرنے اور ان کی طرح مدد و نصرت کے جو وعدے وارد ہوئے ہیں وہ تو ہیں ہی "جہاد فی سبیل اللہ" کرنے والوں کے لئے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تؤذوا المجاہدین!فان الله تعالیٰ یغضب لهم کما یغضب للمرسلین، ویستجیب لهم کما یستجیب للمرسلین))[2]

"مجاہدین کو اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی خاطر اس طرح غضب ناک ہوتے ہیں جیسے وہ رسولوں کے لئے غضب ناک ہوتے ہیں، اور ان کی دعائیں اس طرح قبول کرتے ہیں جیسے رسولوں کی دعائیں قبول فرماتے ہیں"۔

مولانا صاحب نے دوسرے قول کی نسبت رسول اللہ کی طرف کی ہے اس کی بھی انہوں نے کوئی سند یا حوالہ ذکر نہیں کیا۔ کفار کی طرف سے مسلمانوں پر چڑھ دوڑنے اور مسلمانوں پر ذلت و مسکنت تھوپنے کا ذکر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ضرور موجود ہے لیکن جو وجہ اور سبب مولانا صاحب بیان کر رہے ہیں تو معلوم حد تک کہیں اس کا کسی حدیث میں ذکر نہیں، اگر مولانا صاحب کے پاس اس کا حوالہ یا سند ہے تو اس کو ضرور پیش کریں۔ جو وجوہات اور اسباب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مسلمانوں

[1] شعب الایمان للبیهقی، ج:۹ص:۱۴۴رقم الحدیث:۳۹۵۲۔

[2] شرح السیر الکبیر، ج:۱، ص:۲۶، باب فی فضیلۃ الرباط۔

پر چڑھ دوڑنے کے بیان کئے ہیں وہ یا تو "موت سے نفرت"..........."قتال فی سبیل اللہ سے نفرت"..........یا "اللہ کے قانون کے بجائے غیر اللہ کے قوانین کا نفاذ" شامل ہیں۔رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

" قریب ہے کہ (کفر کی) قومیں تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دے کر بلائیں گی جس طرح بھوکے ایک دوسرے کو دستر خوان پر دعوت دے کر بلاتے ہیں"۔اس پر ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا اس وقت ایسا ہماری قلتِ تعداد کی وجہ سے ہو گا؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"(نہیں) بلکہ اس وقت تو تم زیادہ تعداد میں ہوگے، لیکن تم سیلابی پانی کے جھاگ کی طرح ہوگے۔اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے ضرور ہی تمہاری ہیبت ختم کر دیں گے اور تمہارے دلوں میں "وھن" ڈال دیں گے۔"تو پوچھنے والے نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ وھن کیا ہو گا؟ فرمایا:

((حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ))[1]

"دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا"۔

اسی حدیث کے آخری الفاظ دوسری روایات یوں بھی ملتے ہیں:

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! یہ وھن کیا ہو گا؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

((حُبُّكُمُ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَتُكُمُ الْقِتَالَ))[1]

---

[1] ابو داود، ج:۱۱، ص:۳۷۱، رقم الحدیث:۳۷۴۵۔

"تمہارا دنیا سے محبت کرنا" قتال" کو ناپسند کرنا۔"

ایک حدیث میں کفار کے چڑھ آنے کی وجہ حکمرانوں کی طرف سے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر غیر اللہ کے قوانین کا نفاذ کرنا ہے:

((کیف انتم اذا وقعت فیکم وأعوذ ان تکون فیکم أو تدر کوهن...........وما حکم أمرائهم بغیر ماانزل الله الا سلط علیهم عدوهم))[2]

"اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب پانچ چیزیں تم میں وقوع پذیر ہوں گی اور میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ یہ تم میں پائی جائیں یا تم انہیں لوگوں میں پاؤ............(ان میں چوتھی یہ ہے کہ) کسی قوم کے حکمران اللہ کی نازل کردہ شریعت سے اعراض کرتے ہوئے دیگر قوانین کو حاکم بناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں (یعنی کفار) کو ان پر مسلط کر دیتا ہے اور وہ دشمن ان کی ملکیت سے موجود بعض (قیمتی) چیزیں ان سے چھین لیتا ہے"۔

- اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپور والے ایک حدیث کو یوں نقل کرتے ہیں:

"اس کے لئے ایک واقعہ عرض کر دیتا ہوں اس سے آپ کو بات سمجھ آجائے گی۔ ایک صحابی گزر رہے تھے کسی جگہ، دیکھا کہ ایک پہاڑی ہے، اس کے اندر ایک چشمہ ہے اور کچھ سبزہ ہے اور بڑی اچھی اور پسندیدہ جگہ ہے تو دل میں خیال آیا کہ ایسی جگہ پر بیٹھ کر اگر اللہ کی عبادت کی جائے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے! میں اور آپ ہوتے تو جا کر بیٹھ جاتے مگر وہ صحابہ تھے، انہوں نے اپنی طبیعت پر بات نہیں کی بلکہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے آکر

---

[1] مسند احمد، ج:۱۷، ص:۳۹۸، رقم الحدیث:۸۳۵۶۔ کنز العمال، ج:۳، ص:۲۳۵، رقم الحدیث:۶۳۱۹۔ مجمع الزوائد، ج:۷، ص:۲۸۷ واسناده صحیح۔

[2] شعب الایمان للبیھقی، ج:۷، ص:۳۱۵، رقم:۳۱۶۴۔ کنز العمال، ج:۱۶، ص:۸۱۔

پیش کیا کہ اس طرح سے میں نے دیکھا ہے۔ میں وہاں پر مستقل بیٹھ کر عبادت کرنا چاہتا ہوں، دنیا سے کوئی واسطہ نہیں، میں ہوں گا اور اللہ ہوں گے، یہ ساری چیز انہوں نے رکھی ۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام "پھرنا" پہاڑ کی ستر برس کی عبادت سے زیادہ اوپر (افضل) ہے"۔ میں اور آپ ہوتے تو اپنا ارادہ نہ بدلتے، انہوں نے بدل دیا، انہوں نے کہا ٹھیک ہے"۔[1]

اب اصل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عن ابي هريرة رضی اللہ عنہ ان رجلا من اصحاب النبی ﷺ مر بشعب فيه عيينة ماء عذب، فأعجبه طيبة۔ فقال لوأقمت فی هذا الشعب واعتزلت الناس والعمل قال حتى أستامر رسول الله ﷺ فذكر ذلك للنبی ﷺ فقال: "لا تفعل فان مقام احدكم فی سبيل الله أفضل من صلاته فی اهله ستين عاماً۔ ألا تحبون أن يغفر الله لكم ويدخلكم الجنة، اغزوا فی سبيل الله، من قاتل فی سبيل الله فواق ناقة وجبت له الجنة))[2]

"حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص کا گزر ایک ایسی وادی پر ہوا جہاں ٹھنڈے میٹھے پانی ایک چشمہ تھا۔ اس شخص نے کہا کاش! میں لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر اس گھاٹی میں رہتا پھر کہا کہ یہ قدم رسول اللہ ﷺ سے اجازت کے بغیر نہیں اٹھاؤں گا چنانچہ انہوں نے آکر رسول اللہ ﷺ سے اجازت لینے کی درخواست کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا مت کرو کیونکہ تم میں سے کسی ایک کا میدان جہاد میں رہنا گھر کی ستر سالہ نمازوں سے زیادہ افضل ہے۔ کیا تمہیں یہ

---

[1] کراچی اجتماع۔ ۲۹ جولائی، ۲۰۰۷۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[2] شعب الایمان للبیہقی، ج: ۹ ص: ۲۵۸ رقم الحدیث: ۴۰۶۵۔

پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر کے جنت میں داخل فرمادے۔ پس اللہ کے راستے میں لڑو کیونکہ جو شخص اللہ کے راستے میں اتنی دیر میں لڑا جتنی دیر اونٹنی کے وقفے کے دودھ نکالنے میں لگتی ہے تو اس شخص کے لئے جنت واجب ہو گئی"۔

درج بالا حدیث کے متن کو پڑھنے کے بعد دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں۔ اول یہ کہ مولانا صاحب نے اللہ کے رسول کے ارشاد میں صبح یا شام گزارنے کا جو ارشاد خالصتاً قتال یعنی جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق تھا اس کو اپنے "مروجہ پھرنے" پر منطبق کر دیا اور دوم یہ کہ اس حدیث کے آخری جملوں سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ اصطلاحی معنوں میں "فی سبیل اللہ "یعنی "اللہ کے راستے" سے رسول اللہ ﷺ مطلق جہاد و قتال ہی بیان کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس سے جہاد و قتال ہی مراد لیتے تھے۔ یہی بات ایک اور حدیث سے اس طرح واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

((ان الجهاد فی سبيل الله والايمان بالله افضل الاعمال،قال فقام رجل فقال:يارسول الله!أرأيت ان قتلت فی سبيل الله أتكفر عنی خطاياي كلها؟ فقال رسول الله ﷺ:نعم))[1]

"اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے راستے میں جہاد تمام اعمال سے افضل ہے۔ اس وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یارسول اللہ! مجھے بتلا دیجئے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں مارا جاؤں تو میرے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہاں!"۔

- مبلغ تبلیغی جماعت مولانا طارق جمیل صاحب ایک حدیث کا عربی متن تو پورا بیان کرتے ہیں لیکن اس کا ترجمہ عامۃ الناس کے سامنے یوں بیان کرتے ہیں:

[1] صحیح مسلم، ج:۹ص:۴۶۸، رقم الحدیث:۳۴۹۷۔

”کیا یہ ممکن ہے کہ یہ ہو جائے کہ ہر گھر، ہر دَر، ہر چوکھٹ پر کلمہ پہنچ جائے۔ہاں!ایک اور حدیث سنو!یافاطمة لا تبکی فان الله بعث اباك علی امر لایبقی علی ظهر الارض بیت مدر ولا وبر ولا شعر الا أدخله الله به عزا أو ذلا حتی یبلغ حیث یبلغ اللیل[1] .... ”اے میری بیٹی فاطمہ!ایک دن آئے گا کہ تیرے باپ کا کلمہ اس دھرتی کے ہر کچے پکے گھر میں داخل ہو جائے گا، ہر کھال بال کے خیمے میں داخل ہو جائے گا اور تیرے باپ کا کلمہ وہاں وہاں تک جائے گا جہاں جہاں تک رات جاتی ہے“۔اور رات کہاں تک جاتی ہے ؟ساری کائنات میں جاتی ہے تو لہذا یہ بات ثابت ہو گئی اور پتھر پر لکیر میرے نبی کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا کہ یہ کلمہ سارے عالم میں گونجے گا!پہنچائے گا کون؟یہ امت، یہ امت، یہ وہاڑی والے، یہ ملتان والے، یہ خانیوال والے، یہ عرب یہ عجم، ہم ذمہ دار ہیں!اب کوئی نہیں آئے گا“۔[2]

مولانا طارق جمیل صاحب نے شکر ہے اس حدیث کا عربی متن تو پورا بیان کیا لیکن اس کے ترجمہ میں ان سے ایک نہایت ہی اہم بات حذف ہو گئی، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سے یہ بات بھولے سے حذف ہو گئی یا ازخود انہوں کر دی کیونکہ اس بات سے اظہار ہی اس حکم شرعی یعنی ”جہاد فی سبیل اللہ“ کے بارے میں ہو رہا تھا جس کو کھل کر بیان کرنے سے بھی نہ جانے ان اکابرین کو کیوں تکلیف سی محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ دین اسلام ہر کچے پکے گھر اور بال کھال کے خیمے میں داخل ہو جائے گا، لیکن ہو گا کیسے ؟اس کو وہ حذف کر گئے اور پھر اس حدیث کو اپنی ”مروجہ دعوت و تبلیغ“ کی فضیلت و دلیل کے طور پر پیش کرنے لگے۔جن الفاظ کو انہوں نے حذف کیا اپنے ترجمہ میں، وہ ہیں:

((عزا أو ذلا))

---

[1] کنز العمال،ج:۱،ص:۳۰۵، رقم الحدیث:۱۴۴۸۔المستدرك علی الصحیحین للحاکم،ج:۱۱ص:۴۵رقم الحدیث:۴۷۲۰هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔

[2] ”جنت تبلیغ کے سائے میں“بمقام وہاڑی صوبہ پنجاب۔یکم اگست،۲۰۰۲ء۔

''یعنی اس گھر والے کو عزت دے کر یا ذلیل کر کے''۔

یعنی اسلام صرف میٹھے میٹھے بول بولنے ، فضائل کی تعلیم دینے اور گھر گھر جا کر صرف پیار و محبت سے بات کرنے سے ہر گھر میں داخل نہیں ہو جائے گا اور جیسا کہ آج کل مولانا صاحب مختلف ٹی وی چینلز پر آن کر یہ بات بیان کر رہے ہیں کہ ''ہماری جماعتیں تو صرف اسلام کے پیار و محبت اور رواداری کا درس لے کر پوری دنیا میں پھر رہی ہیں''۔ حدیث کے مذکورہ بالا جملے سے جس کو انہوں نے اپنے ترجمہ میں حذف کر دیا اُس سے یہ بات بالکل واضح ہو رہی ہے کہ اسلام داخل ہو گا یا تو گھر والے کو عزت دے کر یعنی وہ اسلام قبول کر لے گا یا پھر ذلیل کر کے یعنی اگر وہ قبول نہیں کرے گا تو اس کے لئے تلوار ہی کافی ہو گی جو اس کو ''جزیہ'' دینے پر آمادہ کر دے گی یا اس کا کام تمام کر دے گی۔ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں اسلام کے غلبہ کی جو نوید سنائی گئی ہے اس کی تکمیل ہو گی ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد جبکہ آپ علیہ السلام مسلمانوں کے ساتھ حضرت مہدی کی قیادت میں گھمسان کے معرکوں میں شریک ہوں گے جس کو احادیث میں ''الملحمة العظمیٰ'' اور ''الملحمة الکبریٰ'' کہا گیا ہے اور اس کے بعد آپ علیہ السلام ''جزیہ'' معطل کر دیں گے اور انسانیت کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جائے گا یا تو اسلام قبول کر لے ورنہ تلوار کا گھائو کھانے کے لئے تیار ہو جائے، اور یہ بات احادیث صحیحہ و متواترہ سے ثابت ہے جس کا بیان یہاں ممکن نہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں سے بغض و عداوت کا کھلم کھلا اظہار:

بات صرف یہیں تک محدود نہیں کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی ''شرعی اصطلاح'' کا اطلاق اپنی مروجہ ''دعوت و تبلیغ'' پر کرتے ہیں اور اس کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق احادیث کو اس طرح حذف و قذف کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ اس کا رخ جہاد فی سبیل اللہ کے شرعی معانی یعنی ''قتال فی سبیل اللہ'' سے موڑ کر اپنی مروجہ کوششوں کی طرف کر دیتے ہیں جن کا جہاد سے کسی بھی قسم کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ اب تو اس سے آگے بڑھ کر اکابرین تبلیغی جماعت جہاد فی سبیل

اللہ کرنے والے سے کھلم کھلا بغض وعدوات کا اظہار کرتے ہیں، ان ہی کو مسلمانوں کی ذلت ومسکنت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، ان کو بیوقوف اور بے عقل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور معاذ اللہ ان کو اللہ کے مقرر کردہ دین کے مخالف کے طور پر عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اسی حقیقت کو مکتبہ دیوبند کے معروف عالم دین مولانا سید عبد المالک شاہ صاحب کتاب ''کلمة الهادی الی سواء السبیل ''کی تقریظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

''لیکن اب اس(تبلیغی)جماعت کے بعض اہم اکابر نے اجتماعی طور پر مشن کے انداز میں بعض صریح احکامات اور قرآن کی ''غلط تاویلات''اور جہاد جیسے اہم ''رکن اسلام'' کے خلاف شعوری یا غیر شعوری طور پر ہرزہ سرائی شروع کی ہے............(اسی طرح)علامہ محمد احمد کا صراحتاً آیات جہاد کی غلط تاویل کرنا اور بطور ''گروہ'' کے، جماعت کے بزرگوں کا اس طرح کا رویہ اختیار کرنا سخت قابل گرفت ہے''۔[1]

اس سلسلے میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد بہاولپور والے صاحب کہتے ہیں:

''ہم اللہ سے ضرب لگوانے کو تیار نہیں۔ لنگوٹ کس کس کر کودجاتے ہیں کہ ''ہم یہ کردیں گے اور ہم وہ کردیں گے''۔ تو اللہ بھی کہتا ہے کرو، اس لئے ہر جگہ مار کھا کر آتے ہیں ۔ میری بات کو نہیں (بلکہ)سوچو اس بات کو، عقل دی ہے اللہ نے۔ اس وقت جتنے ''میدانوں''میں اترے ہوئے ہیں مسلمان، تاریخ انسانی میں کبھی اتنے میدان میں نہیں اترے، پوری تاریخ دیکھ لیں اور جتنی مار اس وقت پڑرہی ہے مسلمانوں پر کبھی بھی نہیں پڑھی۔ عقل مند ہو، سوچو اس بات کو''۔[2]

---

[1] کلمة الهادی الی سواء السبیل، ص: ۴۴، ۴۳۔

[2] کراچی اجتماع۔ ۱۴ اگست، ۲۰۰۸۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

"اور (آج) ہم ایسے رحیم و کریم ہیں کافروں پر کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم تم سے مقابلہ کرلیں گے (لیکن تم پر) اللہ کی مار نہیں پڑوانا چاہتے۔ کیونکہ اللہ کی مار تو جب پڑے گی جب ہم "دعوت" دیں گے اور ہم دعوت دیتے ہی نہیں، اس واسطے اللہ کی مار کیسے آئے گی؟ اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ نے عقل و سمجھ دی ہے کہ اس وقت جتنے "مجاہدین" ہیں، دنیا میں کبھی بھی اتنے نہیں ہوئے، اور جتنی مار اس وقت پڑ رہی ہے اتنی کبھی نہیں پڑی۔ سوچو تو سہی کہ قصہ کیا ہے آخر؟ بدر میں ایک ہتھیار اور ایک تلوار نہیں اور وہ (کفار) تین گناہ ہیں اور ان پر غالب ہیں اور یہاں ساری مار پڑ رہی ہے۔ اللہ نے عقل دی ہے سوچنا چاہیے! ایسے ہی نہیں کہ (لنگوٹ کس کس) کے چلتے چلے جائیں"۔ [1]

چونکہ تبلیغی اکابرین کے نزدیک دین کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک نظام بنایا ہے جس کا نام ان کے نزدیک "نظام دعوت و تبلیغ" ہے جس میں جہاد فی سبیل اللہ اپنے شرعی معانی کے ساتھ شامل نہیں۔ لہٰذا جو مسلمان بھی دین کے قیام یعنی شریعت کے نفاذ کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کو اختیار کرتے ہوئے اپنی جانیں نچھاور کر رہے ہیں ان کی شہادتوں کو بیکار اور رائیگاں قرار دیتے ہوئے ان کو جہنم کا بھی حقدار سمجھتے ہیں۔ اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپور والے کہتے ہیں:

"یہ جو لوگ کہہ رہے ہیں نا کہ اللہ کی مدد کیوں نہیں آتی؟ آپ نے اللہ کی مدد کا دروازہ ہی بند کر دیا ہے! مدد کوئی کافر سے "لڑنے" پر تھوڑی آتی ہے، مدد تو اس پر کہی تھی کہ "دعوت والوں" کے مقابلے پر کافر آئے گا تو مار کھائے گا"۔ [2]

"ہم............ بھاگتے پھرتے ہیں، مار کھا کر روز آتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ کیا ہو گیا؟ ہونا تو یہی ہے جو ہو رہا ہے۔ جب اللہ سے نہیں پوچھیں گے اور اپنی ترتیب سے چلیں گے، اپنی اسکیم بنائیں

---

[1] اسلام آباد اجتماع۔ اگست، ۲۰۰۹۔ بحوالہ سرحد اسلامی کیسٹ ہاؤس، راولپنڈی۔

[2] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۷ء۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

گے تو مار ہی کھائیں اور کیا کریں گے !تو میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ یہ وعدہ کہ کافر مقابلے پر آکر بچ نہیں سکتا صرف ''اصحابِ دعوت'' سے کیا ہے''۔[1]

''اب اللہ کے دین پر چلنے والے بھی دو قسم کے ہیں ۔ایک وہ ہیں جو اللہ کے دین کو اپنی طبیعت کے ماتحت رکھ کر چلتے ہیں اور ایک وہ ہے جو اللہ کے دین کے معاملے میں اللہ کی مرضی اور منشاء کو سامنے رکھ کر چلتے ہیں۔جو اپنی طبیعت کے مطابق دین پر چلنے والے ہیں، ان کو کچھ نہیں ملے گا، یہ خالی ہاتھ ہیں، ساری عمر مرتے رہے کچھ بھی نہیں ہو گا''۔[2]

''اس لئے قیامت میں ویسے نہیں پوچھیں گے ؟کیا کہیں گے ؟تیرے سامنے میں نے ساری چیز کھول کر رکھ دی تھی پھر تو نے میرے نظام (دعوت و تبلیغ) کو دیکھا کیوں نہیں !مجھ سے پوچھا کیوں نہیں ؟کیوں چلا اپنی عقل سے دین پر !یہ عقل والا دین میرے یہاں قبول نہیں ۔اس وجہ سے پتا نہیں کتنے لوگ آئیں گے اس قسم کے جو یہ سمجھ کر آئیں گے کہ اللہ کے دین کے لئے کر رہے ہیں اور کہا جائے گا کہ ان کو پکڑ کر لے جاؤ (جہنم میں)!فرشتے پوچھیں گے کہ بات کیا ہوئی ہے ؟مرتے کھپتے رہے اور اللہ کے دین پر چلتے رہے لیکن اپنی مرضی سے چلتے تھے ۔تو یہ مرضی والا دین یہاں نہیں چلتا، اللہ کی مرضی والا دین چلتا ہے''۔[3]

مولانا طارق جمیل صاحب کہتے ہیں:

''اگر امریکہ حملہ نہ کرتا تو میں بصیرت کے ساتھ بتلاتا ہوں کہ طالبان حکومت ناکامی کی طرف جا رہی تھی، اس نے ناکام ہو جانا تھا۔میرے پاس مفتی نظام الدین شامزئی

[1] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۷ء۔بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[2] کراچی اجتماع۔۲۹ جولائی، ۲۰۰۷۔بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[3] کراچی اجتماع۔۲۹ جولائی، ۲۰۰۷۔بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

رحمۃ اللہ علیہ آئے تھے اور مفتی جمیل رحمۃ اللہ علیہ بھی، دونوں شہید ہوگئے۔ یہ دونوں سرپرستِ اعلیٰ تھے ان (طالبان) کے۔ تو وہ کہنے لگے کہ "حکمت" نام کی کوئی چیز نہیں تھی ان میں۔ انتہائی ناعاقبت اندیش لوگ تھے۔ صرف جذبہ تھا، سمجھ کوئی نہ تھی........." (کسی سائل کے جواب میں کہا) نہیں! رائے ونڈ والوں سے کوئی (مشورہ) نہیں کیا تھا، نہ رائے ونڈ والوں نے مشورہ دیا۔ بس اجتماع میں ان کا وفد آتا تھا۔ انہوں نے کسی کا مشورہ نہیں مانا۔ مفتی رفیع عثمانی صاحب خود چل کر کر (ملا عمر کے پاس) گئے تو ان کی بھی نہیں مانی۔ مفتی نظام الدین گئے اور وہ کہتے ہیں کہ "ملا عمر کو بیٹھ کر میں نے ڈانٹا (پھر بھی انہوں نے) نہیں مانا"۔

ایک اور جگہ یوں کہتے ہیں:

"مولانا احمد صاحب ہمارے ساتھ ۱۵ دن لگاتے ہیں ہر مہینے۔ وہ کہنے لگے، میں ایک دفعہ گیا افغانستان۔ طالبان کے مورچے دیکھے تو میں نے کہا "بے وقوفو!" تم مارے جاؤں گے، تمہارا ایک مورچہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ تو میں نے ملا عمر سے کہا، میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں، صرف آپ کو تھوڑی تربیت دے دوں۔ انہوں نے کہا ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے، ہمیں اللہ ہی کافی ہے، (یہ) کیسی حماقت کی بات ہے"۔[1]

یہ تو چند جھلکیاں ہیں، جو تبلیغی جماعت کے اکابرین کی جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے متعلق زبان پر آگئیں باقی جو کچھ دلوں میں ہوگا اس کو تو اللہ ہی جانتا ہے۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ:

﴿ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ﴾[2]

---

[1] کلمۃ الهادی الی سواء السبیل" ص: ۱۹۱۔

[2] آل عمران: ۱۱۸۔

”یہ ان کا بغض ہے جو کہ ان کے منہ سے ظاہر ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہے وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے“۔

چنانچہ اس ضمن میں ہم صرف چند احادیث نقل کر دیتے ہیں جو کہ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں سے متعلق ہی نہیں بلکہ اگر ان کے گھر والوں کو بھی کوئی اذیت یا تکلیف، چاہے وہ جسمانی ہو یا ذہنی، پہنچائے تو اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کیا کیا وعیدیں سنائی ہیں۔

((حرمة نساء المجاهدين على القاعدين كحرمة امهاتهم ومامن رجل من القاعدين يخلف رجلا من المجاهدين فى اهله فيخونه فيهم الا وقف له يوم القيامة فيأخذ من عمله ماشاء فماظنكم))[1]

”(جہاد سے) پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں کے لئے مجاہدین کی بیویاں ایسی ہی لائقِ احترام ہیں جیسے ان کی اپنی مائیں ان کے لئے لائقِ احترام ہیں۔اور جو شخص بھی کسی مجاہد کی عدم موجودگی میں اس کے گھر میں خیانت کا مرتکب ہو گا تو اسے قیامت کے دن لازماً اس مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور وہ اس کی نیکیوں میں سے جتنی چاہے گا لے لے گا، تو تمہارا کیا خیال ہے (کہ کچھ باقی چھوڑے گا)“۔

اور بعض روایات میں اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

((فماظنكم ماأرى يدع من حسناته شيئاً))[2]

---

[1] صحیح مسلم، ج:۹، ص:۴۹۳، رقم الحدیث:۳۵۱۵۔سنن ابی داود، ج:۷، ص:۵، رقم الحدیث:۲۱۳۵۔سنن النسائی، ، ج:۱۰، ص:۲۷۶، رقم الحدیث:۳۱۳۸۔مسند احمد، ج:۴۶، ص:۴۵۱، رقم الحدیث:۲۱۸۹۹۔

[2] صحیح ابن حبان، ج:۱۹، ص:۲۷۴، رقم الحدیث:۴۷۱۸۔کنز العمال، ج:۴، ص:۲۹۸، رقم الحدیث:۱۰۵۷۶۔سنن النسائی، ج:۱۰، ص:۲۷۹، رقم الحدیث:۳۱۴۰۔

''تمہارا کیا گمان ہے کہ وہ کوئی نیکی بھی باقی چھوڑے گا''۔

درج بالا حدیث کی شرح میں مشہور شارح حدیث ملاعلی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہاں ''مجاہدین'' سے مراد ہے الغزاة الغائبين یعنی ''وہ لوگ جو (کفار سے) جنگ کرنے کے لئے اپنے گھر چھوڑ کر نکلے ہوں''۔ اسی طرح یہاں ''قاعدین'' سے مراد ہے الرجال المتخلفين عن عذر یعنی ''وہ لوگ جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے پیچھے رکے ہوں''۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ مجاہدین کے حقوق یوں بیان کرتے ہیں پیچھے رکنے والوں پر:

((فيجب عليهم اداء خدمتهن، والقيام بأمر معيشتهن، وحفظ حرمتهن، ورعاية حشمتهن))[1]

''پس ان پر واجب ہے کہ وہ مجاہدین کی عورتوں کی خدمت کریں، ان کے دنیاوی معاملات کی دیکھ بھال کریں، ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کریں اور ان کے ''وقار'' کا خیال رکھیں''۔

استاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن، مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''سوچنے کا مقام ہے کہ جن لوگوں کے گھروں کی بیویوں اور بچوں کا یہ احترام ہے تو خود ان (مجاہدین) کا کتنا بڑا احترام ہے اور جو لوگ براہ راست خود مجاہدین کا مذاق اڑاتے ہیں، انہیں ستاتے ہیں، ان کو حقیر سمجھتے ہیں، ان سے جھگڑتے ہیں، ان کی غیبت اور چغلی کھاتے ہیں ، ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتے ہیں اور خصوصاً امریکہ بہادر کو خوش کرنے کے لئے ان کو گرفتار کرتے ہیں، انہیں دہشت گرد بتاتے ہیں، ان کے گھروں پر چھاپہ مارتے ہیں اور

[1] شرح مسند ابی حنیفة رحمۃ اللہ علیہ للملاعلی القاری رحمۃ اللہ علیہ۔

ان کی ملکی شہریت کو ختم کر کے ملک بدر کرتے ہیں، ان ظالموں کا کیا حشر ہو گا؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ مجاہدین کو ستانے والے بڑے ہی ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت جلد ان سے انتقام لیتا ہے''۔[1]

اس موضوع پر مزید کلام کرنے کی اب شاید ضرورت نہیں لیکن ایک بات کی وضاحت ضروری ہے جو کہ مولانا طارق جمیل صاحب نے ''مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ'' حوالے سے کی ہے کہ انہوں نے امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین کو ''ناسمجھ اور انتہائی ناعاقبت اندیش اور حکمت سے عاری'' قرار دیا۔ چونکہ مولانا صاحب مفتی صاحب سے منسوب یہ بیان ان کی شہادت کے بعد دے رہے ہیں لہٰذا ہم مفتی صاحب سے حسن ظن رکھتے ہوئے ان سے منسوب اس بیان کو کسی صورت تسلیم نہیں کرتے اور اس کو ہم مفتی صاحب پر بہتان اور افتراء سمجھتے ہیں کیونکہ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ ہی پاکستان کی وہ واحد شخصیت تھی کہ جنہوں نے 9\11 کے بعد افغانستان پر امریکی حملہ کے بعد اپنے نام کے لیٹر پیڈ پر ایک فتویٰ جاری فرمایا جو کہ ملک کے تمام اخبارات میں جلی حروف کے ساتھ شائع ہوا اور جس کو دلیل کے طور عالم عرب کے علماء حق نے اپنے فتاویٰ نقل کیا۔ اس فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں:

''امریکہ نے امارتِ اسلامی افغانستان پر حملہ کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں کیلئے شرعی احکام مندرجہ ذیل ہے۔

1. تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو گیا ہے کیونکہ موجودہ صورتحال میں صرف افغانستان کے آس پاس مسلمان امارتِ اسلامی افغانستان کا دفاع نہیں کر سکتے ہیں اور یہودیوں اور امریکہ کا اصل ہدف امارتِ اسلامی افغانستان کو ختم کرنا ہے۔ دارالاسلام کی حفاظت اس صورت میں تمام مسلمانوں کا شرعی فریضہ ہے۔

[1] اقتباس از ''دعوتِ جہاد'' کامل، ص: ۲۲۲۔

❷ جو مسلمانوں چاہے اس کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اور کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے سے وابستہ ہو وہ اگر اس صلیبی جنگ میں افغانستان کے مسلمانوں یا امارتِ اسلامی افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف استعمال ہو گا وہ مسلمان نہیں رہے گا۔

❸ اللہ تعالی کے احکام کے خلاف کوئی بھی مسلمان حکمران اگر حکم دیں اور اپنے ماتحت لوگوں کو اسلامی حکومت کے ختم کرنے کیلئے استعمال کرنا چاہے تو ماتحت لوگوں کیلئے اس طرح کے غیر شرعی احکام ماننا جائز نہیں ہے بلکہ ان احکام کی خلاف ورزی ضروری ہو گی۔

❹ اسلامی ممالک کے جتنے حکمران اس صلیبی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں اور اپنی زمین، وسائل اور معلومات ان کو فراہم کر رہے ہیں وہ مسلمان پر حکمرانی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کریں چاہے اس کیلئے جو بھی طریقہ استعمال کیا جائے۔

❺ افغانستان کے مسلمان مجاہدین کے ساتھ جانی و مالی اور ہر قسم کی ممکن مدد مسلمانوں پر فرض ہے لہٰذا جو مسلمان وہاں جا کر ان کے شانہ بشانہ لڑ سکتے ہیں وہ وہاں جا کر شرکت کر لیں اور جو مسلمان مالی تعاون کر سکتے ہیں وہ مالی تعاون فرمائے۔ اللہ تعالیٰ مصیبت اس گھڑی میں مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو۔

اس فتویٰ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کر کے دوسرے مسلمانوں تک پہنچائے۔

فقط و سلام

مفتی نظام الدین شامزئی

(مہر و دستخط)

بہر حال یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ ۲۰۰۴ء میں مفتی صاحب کی شہادت کی وجہ بھی جہاد کے حق میں دیا گیا ایک فتویٰ ہی بنا تھا۔

پس ذہن میں یہ حدیث تازہ رہے کہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تؤذوا المجاهدين !فان الله تعالىٰ يغضب لهم كما يغضب للمرسلين، ويستجيب لهم كما يستجيب للمرسلين۔ ومن آذى مجاهداً في اهله فما واه النار ولا يخرجه منه الا شفاعة المجاهد له ان فعل ذلك))[1]

''مجاہدین کو اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی خاطر اس طرح غضب ناک ہوتے ہیں جیسے وہ رسولوں کے لئے غضب ناک ہوتے ہیں، اور ان کی دعائیں اس طرح قبول کرتے ہیں جیسے رسولوں کی دعائیں قبول فرماتے ہیں. اور جس نے کسی مجاہد کو اس کے گھر والوں کے معاملے میں تکلیف پہنچائی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور اس کو جہنم سے صرف اس مجاہد کی سفارش ہی نکلوا سکے گی، اگر اس نے سفارش کرنی چاہی تو''۔

اور دوسری یہ بات کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والے ''تحریک شہیدین'' کے روحِ رواں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''جہادی قوت کا مہیا کرنا ہر ایک مسلمان کا فریضہ ہے۔ وہ خود میدان میں آئے اور اپنی استطاعت کے موافق سامانِ جنگ ہمراہ لائے۔ کسی دوسرے کی شرکت کا انتظار اس معاملے میں بالکل جائز نہیں۔ جہاد کے معاملے میں جو مشکل اور تعطیل واقع ہو رہی ہے، اس کا وبال اور سزا جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی گردن پر ہے (نہ کہ ان پر جو اپنے جان و مال سے جہاد

[1] شرح السير الكبير، ج:۱، ص:۲۶، باب في فضيلة الرباط۔

کر رہے ہوں)۔ غیرت اسلامی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کوئی شخص بطور کھیل اور تماشہ بھی جہاد کا نام لیتا تو اس کی آواز پر ہر شخص دور دراز سے صحرا و بیاباں پہاڑوں اور جنگلوں کا سفر طے کرتا، دیوانوں کی طرح دوڑتا بلکہ شہباز کی طرح پرواز کر کے مجمعِ جہاد میں جا پہنچتا ۔افسوس! اسلام کا صرف یہی حق (آج رہ گیا) ہے کہ اس کے ''رکن اعظم'' (جہاد فی سبیل اللہ)کی بیخ کنی کرے، غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی رکھنے والوں پر ''ملامت وطعن'' کرے اگر ایسا ہو تو یہ (جہاد کرنے والوں پر قینچی کی طرح زبانیں چلانے والے)لوگ من جملہ عیسائی، یہودی، مجوسی یا ہنود میں سے ہیں''۔[1]

[1] ترجمہ و تلخیص، مکاتیب سید احمد رحمۃ اللہ علیہ، ص:٦٧، مکتبہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ ''کلمۃ الھادی الی سواء السبیل'' ص:١٩٩۔

جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق چند ضروری باتیں

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت پر قرآن کریم کی چند آیات و احادیث مبارکہ:

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت و ضرورت سے متعلق ساری آیات و احادیث کو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں۔ اس کے لئے ضخیم کتابیں بھی تحریر کی جائیں تو وہ اس مضمون کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ پھر بھی ہم وہ چند آیات و احادیث نقل کر دیتے ہیں جس میں صراحت کے ساتھ جہاد کو ''قتال فی سبیل اللہ'' سے تعبیر کیا گیا اور اس کو ہی مسلمانوں کی عزت، دین کی اقامت، اللہ کے کلمہ کی سربلندی کا واحد ذریعہ قرار دیا گیا۔

''قتال فی سبیل اللہ'' قرآن کی نظر میں:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾[1]

'' تم پر قتال کا کرنا فرض کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ تمہیں کتنا ہی ناپسند ہو اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے شر ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو''

گو کہ یہ ایک آیت ہی کافی ہے جہاد و قتال کی فرضیت اور اس کی اہمیت کے حوالے سے اور خاص کر ان لوگوں پر تو یہ آیت قطعی حجت ہے جو کہ جہاد اور قتال میں فرق کرتے ہیں۔ چونکہ قرآن اپنے

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۱۶۔

بیان کردہ مضامین کا ایک لحاظ سے خود بھی محافظ ہے لہذا قرآن نے جہاد کے شرعی معانی جو کہ دراصل قتال ہی ہیں، اس کی محافظت کی ۔اب جو لوگ جہاد اور قتال میں فرق کرتے ہیں، حالانکہ ایسا بالکل نہیں، تو انہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارکان اسلام کی طرح "جہاد" کو نہیں بلکہ طاقت کے استعمال یعنی "قتال فی سبیل اللہ" کو یہ کہہ کر کہ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ﴾ فرض قرار دیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جنت کا سودا ہی ان لوگوں سے کیا ہے جن کی اولین صفت ہی یہ بیان کی گئی کہ وہ "قتال فی سبیل اللہ" کرنے والے ہوں گے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لئے ہیں اہل ایمان سے ان کے جانیں اور ان کے اموال جنت کے بدلے ،جو قتال کرتے ہیں اللہ کی راہ میں ۔پس قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں"۔

پھر وہ لوگ جو صفیں باندھ کر "قتال فی سبیل اللہ" کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت کا اعلان کررہے ہیں یعنی یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ رب العزت اعلان کررہے ہیں کہ "وہ میرے بن گئے"۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾[2]

[1] التوبۃ:۱۱۱۔

[2] الصف:۴۔

”بے شک اللہ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر قتال کرتے ہیں جیسے کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں“۔

اسی ”قتال فی سبیل اللہ“ کے لئے اہل ایمان کو ابھارنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کو ان الفاظ میں دیا گیا:

﴿یا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِینَ عَلَی الْقِتَالِ﴾[1]

”اے نبی! آپ اہل ایمان کو قتال کے لئے ابھاریئے“

﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لا تُكَلَّفُ إِلا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ﴾[2]

”(اے نبی) بس آپ قتال کرتے رہیے اللہ کے راستے میں۔ آپ اپنی ذات کے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں اور آپ اہل ایمان کو قتال پر ابھاریئے“

جو طاغوت بن کر اپنا نظام جاری کرے اور جو بھی اُس کا حمایتی و مدگار بن کر لڑے، اہل ایمان کو بھی ان سب سے لڑنے کا حکم دیا گیا:

﴿فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾[3]

”پس قتال کرو ان کفر کے سرداروں سے“۔

---

[1] الانفال:۶۵۔

[2] الانفال:۶۵۔

[3] التوبۃ:۱۲۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾[1]

''جو لوگ ایمان لائے وہ تو قتال کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو لوگ کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں تو (اے مسلمانو!) تم لڑو ان شیطان کے دوستوں سے۔ بے شک شیطان کی چال بہت کمزور ہے''۔

اور یہ قتال اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم جاری فرمایا جب تک ''کلمہ کی دعوت'' کو نہ ماننے والے ذلت و مسکنت کے ساتھ ''جزیہ'' دینے پر آمادہ نہ ہو جائیں:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُه، وَلاَ يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ﴾[2]

''قتال کرو ان سے جب تک یہ ایمان نہیں لاتے اللہ اور آخرت کے دن پر اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اس کو حرام نہیں جانتے اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں''۔

اسی طرح جب تک زمین پر اللہ کے قوانین کے بجائے غیر اللہ کے قوانین جاری وساری ہیں اس وقت تک مسلمانوں کو ''قتال فی سبیل اللہ'' جاری رکھنے کا حکم دیا گیا:

---

[1] النسآء:٧٦۔

[2] التوبۃ:٢٩۔

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ﴾[1]

''اور قتال کرتے رہو ان سے یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے''۔

اور اس دوران اس بات کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے کہ ہم غالب ہوں گے یا مغلوب کیونکہ دونوں صورتوں میں اجر ثابت ہے:

﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾[2]

''پس قتال کرنا چاہیے اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو جنہوں نے آخرت کے بدلے اپنی دنیا کی زندگی کو بیچ دیا ہے اور جس نے قتال کیا اللہ کی راہ میں پھر وہ مارا گیا یا غالب آ گیا (دونوں صورتوں میں) یقیناً ہم اس کو بڑے اجر سے نوازیں گے''۔

اور جو لوگ اس قتال فی سبیل اللہ میں مارے جائیں ان کے لئے حیاتِ جاودانی کا اعلان بھی ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾[3]

''اور ہرگز یہ گمان نہ کرنا ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے مارے جائیں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں''۔

---

[1] سورۃ الانفال:۳۹۔

[2] النسآء:۷۴۔

[3] آل عمران:۱۶۹۔

اکابرین تبلیغی جماعت کی طرف سے قرآن کریم کو سمجھنے سے روکنے کی اصل وجہ:

قرآن کریم در حقیقت "جہاد فی سبیل اللہ" کا سب سے بڑا محافظ ہے اور اس کی فرضیت، اہمیت اور ضرورت کو قرآن نے بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن اور جہاد دونوں کو قوموں کی عروج وزوال کی کسوٹی قرار دیا:

((ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین))[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ اس قرآن (کو تھامنے) کی وجہ سے بہت سی قوموں کو عروج عطا کرے گا اور (اس کو پس پشت ڈالنے والی) بہت سی قوموں کو رسوا کر دے گا"۔

((ماترك قوم الجهاد فی سبیل الله الا ضربهم الله بذل))[2]

"جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ بیٹھتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتے ہیں"۔

((ماترك قوم الجهاد الا عمهم الله بالعذاب))[3]

"جو قوم جہاد ترک کر بیٹھتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر عذاب مسلط فرما دیتے ہیں"۔

[1] صحیح مسلم، ج:۴، ص:۲۵۲، رقم الحدیث:۱۳۵۳۔

[2] کنز العمال، ج:۳، ص:۶۸۱، رقم الحدیث:۸۴۴۷۔

[3] مجمع الزوائد، ج:۵، ص:۲۸۴۔

لہٰذا صحابہ کرام قرآن اور جہاد کو لازم وملزوم سمجھتے تھے۔ چناچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ:

((أمرنا أن نعلمه أولادنا الرمي والقرآن))[1]

"ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم اپنی اولاد کو تیر اندازی اور قرآن سکھائیں"۔

((تعلموا الرمي والقرآن))[2]

"سیکھو قرآن اور تیر چلانا"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں اسلام کی طرف بلایا جاتا تھا تو وہ اسے قبول کر لیتے تھے؟ وہ قرآن کو پڑھتے تھے اور اپنے اعتقادات کو اس کے ساتھ مضبوط کرتے تھے اور جہاد کے لئے برانگیختہ ہو جایا کرتے تھے"۔

ایک طرف قرآن اور جہاد سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل ہے اور دوسری طرف ایک نہایت ہی تلخ حقیقت ہے جس کو آج یہاں کھول دیا جائے تو بہتر ہے، گو کہ اس تلخ حقیقت کو تبلیغی جماعت کے متعلقین و احباب اور عام مسلمانوں کے لئے تسلیم کرنا نہایت تکلیف دہ ہو گا لیکن جب معاملہ دین اسلام کا ہو تو کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۴، ص:۱۵۶، رقم الحدیث:۳۷۴۵۔ کنز العمال، ج:۱۶، ص:۵۸۵، رقم الحدیث:۴۵۹۵۵۔ مجمع الزوائد، ج:۵، ص:۲۶۹ واسنادہ فیہ کلام۔

[2] کنز العمال، ج:۱۶، ص:۵۸۵، رقم الحدیث:۱۰۸۷۱۔

وہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ جب تک عام مسلمان قرآن کے بنیادی پیغام اوراس کے فہم کو سمجھنے سے قاصر نہ ہوتے تو بڑے سے بڑے دھوکے باز کی حیلہ سازیاں اور تاویلات بھی عام مسلمانوں کو جہاد و قتال سے دور رکھنے کی کا باعث نہ بن سکتی تھیں۔ لیکن آج تبلیغی جماعت کے اکابرین کی جانب سے اپنے متعلقین واحباب کے لئے قرآن کریم کو سمجھنے سمجھانے پر یکسر پابندی لگادینا اور کسی بھی صورت قرآن کا ترجمہ اور تفسیر جو کہ علماء کرام نے لکھی ہی عموماً عام مسلمانوں کے ''فہم قرآن'' کے لئے ہیں، ان کے مطالعہ سے نہ صرف عام مسلمانوں کو روک دینا بلکہ خود اکابر تبلیغی جماعت کا قرآن کے ترجمے اور دورس سے اجتناب کرنا اور جو یہ کام کرے اس کو غلطی پر اور گمراہ سمجھنا دراصل اپنے پیچھے ایک سوچ اور فکر کی عکاسی کرتا ہے۔

محسوس ایسا ہوتا کہ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ جب تک ان کے متعلقین واحباب اور عام مسلمان قرآن کریم کے معانی اور تفاسیر سے نابلد رہیں گے اس وقت تک وہ جہاد و قتال کی فرضیت، اہمیت اور ضرورت سے بھی واقف نہ ہوں گے۔ لہٰذا اس کا فائدہ صرف اس کو ہوگا جو کہ جہاد و قتال سے بغض و عناد رکھتا ہوگا۔

وہ لوگ جو قرآن کریم کے بنیادی پیغام کا فہم حاصل کرنے کے لئے ترجمہ و تفسیر کو پڑھنے کو چودہ یا پندرہ علوم سے مشروط قرار دیتے ہیں ان کے لئے ہم کچھ کلام علمائے امت کا بھی نقل کر دیتے ہیں جس میں انہوں نے قرآن کریم کے بنیادی پیغام کو سمجھنے کے لئے جس کو مفسرین ''نصیحت اور یاددہانی'' سے تعبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اس اعتبار سے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان قرار دیتے ہیں۔ سورۃ القمر میں چار دفعہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾[1]

[1] القمر:۱۸۔

"اور ہم نے قرآن کو نصیحت و یاد دہانی کے لئے آسان کر دیا ہے، تو ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے"۔

عام مسلمانوں کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنے اور اس کے لئے روز کی بنیاد پر حلقہ لگا کر بیٹھنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے سمجھانے کی تلقین کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ان کے پیش نظر یہی مقصد تھا کہ ایک عام آدمی تک قرآن کا بنیادی پیغام پہنچ جائے۔ وہ فرماتے ہیں:

" مسلمانوں کو چاہیے کہ فرصت کے وقت حلقہ حلقہ ہو کر بیٹھیں اور جو شخص قرآن کریم کا ترجمہ پڑھ سکے اور تھوڑی سی بھی تفسیر جانتا ہو یا کسی کے سامنے ترجمہ پڑھ چکا ہو وہ جس قدر وقت ملے قرآن کریم کو ترجمے کے ساتھ اچھی طرح پڑھے تاکہ سب سنیں اور قرآن کے مطالب کو سمجھیں اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشابہت پیدا کریں جو حلقہ حلقہ ہو کر تشریف رکھتے تھے اور قرآن سنتے تھے۔ فرق اس قدر ہے کہ وہ بوجہ مادری زبان ہونے کے قرآن خود سمجھتے تھے اور یہاں کے مسلمان ترجمہ (کے ذریعے) سمجھیں گے۔"

"پس کیسا اسلام اس شخص کا جو قرآن کریم کو نہ سمجھے اور کیسی حلاوت اس کے پاس ہے کہ اللہ کے کلام کو نہ جانے۔ قرآن اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نازل فرمایا ہے کہ اللہ کی مرضی اور نامرضی کو پہچانیں اور نفس کے مکر اور بُرے اعمال کی تاریکیوں اور خراب اخلاق سے نجات حاصل کریں۔"[1]

چناچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں فرماتے ہیں:

[1] کتاب " فتح الرحمٰن از شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "۔

" اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ نہ جانے کتنی راہیں چلتے ہیں، کوئی پچھلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں، کوئی صرف قصّے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور مولویوں کی باتوں کو ہی جو انہوں نے اپنی ذہن کی تیزی سے نکالی ہیں، سَند پکڑتے ہیں۔ اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ (اور اس کے) رسول ﷺ کا کلام سمجھنا مشکل ہے، اس کے لئے بہت علم چاہیے، ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بزرگوں کا کام ہے۔ سو ہماری کیا طاقت ہے کہ اس کے موافق چلیں، بلکہ ہمیں یہی باتیں کفایت کرتی ہیں............ سو یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں بیان کی گئی باتیں بالکل واضح ہیں، ان کا سمجھنا مشکل نہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کو سمجھنے کیلئے بہت علم کی ضرورت نہیں کہ رسول تو نادانوں کو راہ بتانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کو علم سکھانے آئے تھے"۔ [1]

مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" کچھ ایسے نیک لوگ موجود ہیں، جو حصولِ ثواب وبرکت کی خاطر روزانہ قرآن مجید کے پارہ دو پارہ تلاوت تو کرتے ہیں مگر بے چارے اس کے مطلب و مقصد سے قطعاً نا آشنا ہیں۔ اگرچہ اس دور میں اب بہت سے ترجمے اور تفسیریں لکھی جا چکی ہیں اور ایک اردو سمجھنے والا ان کی مدد سے بھی قرآن کریم کے مطلب و مقصد کو اچھی خاصی حد تک سمجھ سکتا ہے، لیکن ان بے چاروں کے ذہن میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور اپنی عملی زندگی کیلئے اس سے ہدایت لینا بھی کوئی بہت ضروری بات ہے۔" [2]

---

[1] تقویۃ الایمان۔

[2] اقتباس از " اگر رسول ﷺ اس زمانے میں ہوتے"۔ ماہنامہ تدریس القرآن۔

یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ اور تفاسیر کا مطالعہ بغرض ”تذکر“یعنی یاددہانی اور نصیحت کے لئے کیا جائے ،نہ کہ از خود بغرض” استنباطِ احکام“۔ اسی بات کو مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سورۃ القمر کی آیت ۱۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”قرآن نے اپنے مضامینِ عبرت و نصیحت کو ایسا آسان کر کے بیان کیا ہے جس طرح بڑے سے بڑا عالم و ماہر، فلسفی اور حکیم اس سے فائدہ اٹھاتا ہے ،اسی طرح ہر عامی جاہل جس کو” علوم“ سے کوئی مناسبت نہ ہو وہ بھی عبرت و نصیحت کے مضامینِ قرآنی کو سمجھ کر اس سے متاثر ہوتا ہے۔اس آیت میں یَسَّرْنَا کے ساتھ لِلذِّکْرِ کی قید لگا کر یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ قرآن کو حفظ کرنے اور اس کے مضامین سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کی حد تک اس کو آسان کر دیا ہے، جس سے ہر عالم و جاہل، چھوٹا اور بڑا یکساں فائدہ اٹھا سکتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کریم سے مسائل اور احکام کا استنباط بھی ایسا ہی آسان ہو،وہ اپنی جگہ مستقل اور مشکل فن ہے جس میں عمریں صرف کرنے والے علماء راسخین کو ہی حصہ ملتا ہے، ہر ایک کا میدان نہیں۔“[1]

ان تمام دلائل و براہان کے باوجود جو کوئی بھی عام مسلمانوں کو فہم قرآن سے روکے رکھے تو جان لیجئے اس عمل کو قرآن نے مشرکین مکہ کا عمل قرار دیا ہے جو کہ ”کلمے کی دعوت“ کے مقابلے میں عام لوگوں قرآن کو سننے سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾[2]

”اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ ہر گز نہ سنو اس قرآن کو اور اس کے سننے کے دمیان شور مچاؤ امید ہے کہ تم غالب آجاؤ گے“۔

---

[1] معارف القرآن جلد ۸، صفحہ ۲۳۰۔

[2] فصلت:۲۶۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ قرآن سے روکنے کا یہ عمل ان کے کسی کام نہیں آنے والے بلکہ خسارے میں ڈالنے والا ہے:

﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴾[1]

"اور اس قرآن سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی رکتے ہیں اور یہ بات خود ان کو ہلاکت میں ڈالنے والی ہے مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتے"۔

"قتال فی سبیل اللہ" احادیث رسول ﷺ کی نظر میں:

یہ بات پہلے بھی واضح کی جاچکی ہے کہ "جہاد فی سبیل اللہ" کے شرعی معانی کا اطلاق صرف اس کوشش اور سعی پر ہوتا ہے جس کا تعلق "قتال فی سبیل اللہ" سے ہو۔ چاہے وہ جانی ہو یا مالی ہو یا زبانی ہو۔ پھر بھی ہم جہاد سے متعلق صرف وہ چند احادیث رسول ﷺ نقل کر دیتے ہیں تاکہ حجت قائم ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وہ گروہ جس کو دین کا علم بردار اور محافظ قرار دیا اس کی واحد صفت ہی یہ بیان کی کہ وہ اس دین کے قیام کے لئے "قتال فی سبیل اللہ" کرنے والا ہوگا:

((لا تزال عصابة من امتی یقاتلون علیٰ امر اللّٰہ قاھرین علیٰ عدوھم لا یضرھم من خالفھم حتیٰ تاتیھم الساعة وھم علیٰ ذلك))[2]

---

[1] الانعام :۲۶۔

[2] صحیح مسلم، ج:۱۰، ص:۴۲، رقم الحدیث:۳۵۵۰۔

"میری امت کا ایک گروہ اللہ کے "امر" پر برابر قتال کرتا رہے گا، یہ لوگ دشمنوں پر چھائے رہیں گے، جس کسی نے ان کی مخالفت کی وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے اور اسی طریقے پر قائم رہیں گے۔"

((من یرد اللّٰہ به خیرا یفقهه فی الدین' ولا تزال عصابة من المسلمین یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهم الی یوم القیامة))[1]

"اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیدیتا ہے اور (جو دین کو سمجھ گیا تو اس سے یہ بات مخفی نہیں کہ) قیامت تک مسلمانوں میں سے ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور اپنے سے الجھنے والوں پر غالب رہے گی۔"

((لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهم حتی یقاتل آخرهم المسیح الدجال))[2]

"میری امت میں ایک گروہ برابر حق پر قتال کرتا رہے گا اور حق کے دشمنوں پر غلبہ پائے گا، حتیٰ کہ ان میں سے آخر شخص مسیح دجال سے لڑے گا"۔

تو اس حقیقت کو جاننے کے بعد جس شخص نہ قتال کیا اور نہ ہی اس کا کوئی ارادہ دل میں رکھا تو اُس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من نفاق))[3]

---

[1] صحیح مسلم، ج:۱۰، ص:۴۱، رقم الحدیث:۳۵۴۹۔

[2] سنن ابی داود، ج:۶، ص:۴۸۷، رقم الحدیث:۲۱۲۵۔

[3] صحیح مسلم، ج:۱۰، ص:۱۹، رقم الحدیث:۳۵۳۳۔

"جس شخص کی اس حالت میں موت آئی کہ اس نے نہ تو (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ جنگ کا ارادہ کیا تو وہ نفاق کی ایک شعبے پر مرا"۔

اور جن لوگوں نے "قتال فی سبیل اللہ" کیا، وہ عذاب قبر سے محفوظ رہیں گے۔ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

((یارسول الله !مابال المؤمنین یفتنون فی قبورهم الا الشهید،قال کفی ببارقة السیوف علی رأسه فتنة))[1]

"یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ سوائے شہید کے سب اہل ایمان کو قبروں میں آزمائے جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شہید کے سر پر تلواروں کا چمکنا ہی اس کی آزمائش کے لئے کافی ہے"۔

اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن بڑے اعزازات سے نوازا جائے گا جس پر فرشتے بھی رشک کریں گے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فان الله عزوجل یدعو یوم القیامة الجنة فتأتی بزخرفها وزینتها فیقول:أي عبادي الذین قاتلوا فی سبیلي وقتلوا وأوزوا في سبیلي وجاهدوا في سبیلي ادخلوا الجنة فیدخلونها بغیر عذاب ولا حساب وتأتی الملائکة فیسجدون فیقولون:ربنا نحن نسبحك اللیل والنهار ونقدس لك من هؤلاء الذین آثرتهم علینا؟فیقول الله عزوجل:هؤلاء عبادي الذین قاتلوا فی

[1] سنن النسائی، ج:۷،ص:۱۸۸، رقم الحدیث:۲۰۲۶۔کنزالعمال،ج:۴،ص:۵۹۶، رقم الحدیث:۱۱۱۷۴واسنادہ صحیح۔

سبيلي وأوزوا في سبيلي فتدخل عليهم الملائكة من كل باب سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار))[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بلائیں گے جنت کو تو وہ اپنی تمام زینت وآرائش کے ساتھ آئے گی۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ "کہاں ہیں میرے وہ بندے جنہوں نے قتال کیا میرے راستے میں اور قتل ہوئے اور ان کو میرے راستے میں ستایا گیا اور انہوں نے میرے راستے میں جہاد کیا۔(ان سے کہا جائے گا)داخل ہو جاؤ جنت میں اور یہ داخلہ ہونا ہو گا بغیر عذاب اور حساب کے"۔ تو فرشتے آئیں گے اور سجدے میں گر جائیں گے اور کہیں گے "اے ہمارے رب !ہم نے تسبیح کی رات اور دن اور تیری حمد بیان کی، یہ کون لوگ ہیں جن کو ہم پر بھی فضیلت دی گئی (کہ ہم سے پہلے جنت میں بلا حساب و کتاب داخل ہو گئے)؟" اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے "یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میرے راستے میں قتال کیا اور ان کو میرے راستے میں ستایا گیا"۔(یہ سن کر) فرشتے ہر دروازے سے ان پر یہ کہتے ہوئے آئیں گے "سلام ہو تم بسبب اس ثابت قدمی کے (جو تم نے دنیا میں دکھائی)۔ پس یہ کیا ہی اچھا بدلہ آخرت کے گھر کا"۔

یہ ہیں وہ درجات جو "قتال فی سبیل اللہ" کرنے والوں کو حاصل ہوں گے۔ جب ہی رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑھ کر یہ آرزو رہی کہ:

((والذی نفسی بیده لوددت أنی أقتل فی سبیل الله ثم أحیاثم أقتل،ثم أحیاثم أقتل،ثم أحیاثم أقتل))[1]

---

[1] مسند احمد،ج:۱۳،ص:۳۲۱، رقم الحدیث:۶۲۸۳۔ کنز العمال،ج:۶،ص:۴۸۰، رقم الحدیث:۱۶۶۳۵۔ مجمع الزوائد،ج:۱۰،ص:۲۵۹۔ المستدرك علی الصحیحین للحاکم،ج:۶،ص:۲، رقم الحدیث:۲۳۵۲ هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه۔

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری تو یہ آرزو ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں“۔

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان ابواب الجنة تحت ظلال السيوف))[2]

”بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں“۔

جہاد کی فرضیت سے مراد؟

جب ہم جہاد فی سبیل اللہ کے شرعی معانی، اس کی اہمیت و فرضیت کو سمجھ چکے تو یہ بھی ہم پر واضح ہونا چاہیے کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک ایسا عمل ہے جو کہ امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی فرض ہو گیا تھا اور قیامت تک وہ بلا کسی وقفہ اور تعطل کے جاری رہے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو کہ ”جہاد تا قیام قیامت بلا کسی تعطل اور وقفہ کے جاری رہے گا“ ایک مسلمان کے اسلام کی ”بنیاد“ اور ایمان کی ”جڑ“ قرار دیا، یعنی اس بات کو تسلیم کئے بغیر آدمی کے اسلام اور ایمان کی کوئی حیثیت نہیں:

---

[1] صحیح البخاری، ج:۹، ص:۳۶۴، رقم الحدیث:۲۵۸۸۔

[2] صحیح مسلم، ج:۱۰، ص:۱، رقم الحدیث:۳۵۲۱۔ مسند احمد، ج:۴۰، ص:۲۶۱، رقم الحدیث:۱۸۸۴۹۔ صحیح ابن حبان، ج:۱۹، ص:۲۴۰، رقم الحدیث:۴۷۰۱۔

((بنی الاسلام علی ثلاثۃ.........والجھاد ماض الیٰ یوم القیمۃ منذ بعث اللّٰہ محمدا ﷺ الیٰ آخر عصابۃ من المسلمین لا ینقض ذلك جور جائر ولاعدل عدل))[1]

"اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی گئی ہے.........(ان میں سے ایک یہ ہے کہ) جہاد حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قیامت تک اس کے آخری گروہ تک جاری رہے گا، اس کو کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل ختم نہیں کر سکتا"۔

((ثلاث من اصل الایمان.........والجھاد ماض منذ بعثنی اللّٰہ الی ان یقاتل آخر امتی الدجال لایبطلہ جور جائر ولا عدل عادل))[2]

"تین باتین ایمان کی جڑ ہیں.........(ان میں سے ایک یہ ہے کہ) جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جہاد ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے (اور اس دوران) کسی عادل کا بادشاہ کا عدل یا کسی ظالم کا ظلم اس کو موقوف نہیں کر سکتا"۔

یہاں یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں کہ "کسی عادل کا عدل یا کسی ظالم کا ظلم اس جہاد کو موقوف یا معطل نہیں کر سکتا"۔ یعنی بادشاہ اگر عادل ہو تب بھی جہاد جاری ہے گا۔ وہ اس صورت میں کہ دار الاسلام کی سرحدوں کو وسعت دینے کے لئے ہر سال کم از کم ایک دفعہ کافروں کے علاقہ پر چڑھائی کی جائے گی جبکہ وہ کافر لڑنے پر آمادہ اور تیار بھی نہ ہوں اور اگر بادشاہ ظالم ہو تب بھی اس کی امارت میں جہاد جاری

[1] المعجم الأوسط للطبرانی رقم ۴۷۷۵،۵/۹۶،سنن ابی داؤد رقم ۲۵۳۲،سنن البھیقی ۹/۱۵۶،رقم ۱۷۵۷۴، مسندابی یعلی رقم ۴۳۱۱۔

[2] سنن ابی داود،ج:۷،ص:۶۳، رقم الحدیث:۲۱۷۰۔ کنز العمال،ج:۴،ص:۳۱۴، رقم الحدیث:۱۰۶۶۶۔

رکھنے کا حکم دیا گیا سوائے اُس حاکم کے جو کفرِ بواح یعنی وہ کفر جس کے کفر ہونے میں کسی کو شک نہیں، کا مرتکب ہو تو اس صورت میں خود اس کے خلاف ہی جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

جہاد کی اقسام:

بنیادی طور پر فقہاء کرام نے متفقہ طور پر جہاد کی دو اقسام بیان کی ہیں:

(۱)فرض کفایہ جہاد

(۲)فرض عین جہاد

لہٰذا یہ جاننا بھی انتہائی ضروری ہے کہ کن کن حالتوں میں اور صورتوں میں جہاد فرض کفایہ یا پھر فرض عین ہوتا ہے۔ کیونکہ جب جہاد کے شرعی معانی اور اس کی اہمیت و فرضیت کو واضح کیا جاتا ہے تو لوگ پھر جہاد سے راہ فرار اختیار کرنے کے لئے فرض کفایہ اور فرض عین کے الگ الگ احکامات و مسائل کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں اور جہاد کے "فرض عین" ہونے کے باوجود اس پر "فرضِ کفایہ" کے شرائط و احکامات لاگو کر دیتے ہیں۔

لہٰذا دار الاسلام کی سرحدوں میں وسعت دینے کے لئے جو جہاد کیا جاتا ہے اس کو "اقدامی جہاد" بھی کہا جاتا ہے۔ "اقدامی جہاد" کی چند شرائط فقہائے کرام نے بیان کی ہیں جو درجِ ذیل ہیں:

(۱) سرپرست کی اجازت ہو۔

(۲) بعض فقہاء کے نزدیک طاقت کا توازن ہو۔

(۳) نفیرِ عام ہو۔

(۴) دعوت الی الاسلام ہو۔

اور اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں تو ان کو پورا کرنے کے لئے ہر مسلمان پر کوشش لازم ہے۔اس کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''ردالمختار'' میں لکھتے ہیں:

''کہ امیر کے لئے ضروری ہے کہ ہر سال میں امیر (سرحدات اسلامی کی وسعت کے لئے) ایک یا دو مرتبہ لشکر (کافروں کی طرف) روانہ کرے لہٰذا ایک سال کا جہاد دوسرے سال کے لئے کافی نہ ہو گا''۔[1]

چنانچہ جب امیر اس فرض کی ادائیگی کے لئے پکار لگائے تو اس صورت میں جہاد فرضِ عین ہوتا ہے مگر مطلوبہ تعداد پوری ہوتے ہی فرضِ کفایہ کی طرف لوٹ جاتا ہے یعنی بقیہ کی طرف سے ساقط ہو جاتا ہے۔امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب تک اتنے لوگ جہاد میں شریک ہوگئے جو کفایت پر قادر ہیں تو حکم یہ ہے کہ جہاد پھر فرضِ کفایہ کی طرف لوٹ آئے گا''۔[2]

اس کے علاوہ چار صورتیں ایسی ہیں جن میں جہاد تعین کے ساتھ ہر ایک مسلمان پر'' فرض عین'' ہو جاتا ہے۔وہ چار صورتیں یہ ہیں:

(۱) ''اذا دخل الکفار بلدۃ من بلاد المسلمین''

''جب کفار مسلمانوں کے کسی بھی علاقے میں گھس آئیں''۔

[1] الرد المختار ۳/۲۴۰۔

[2] احکام القرآن: ۴/۳۹۱۔

چنانچہ جب یہ صورت پیش آجائے تو یہ جہاد ''دفاعی جہاد ''کہلاتا ہے جو کہ ہر ایک مسلمان بالترتیب فرض عین ہوتا چلا جاتا ہے۔ چناچہ فقہ حنفی کے مشہور امام، امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر دشمن کسی بھی اسلامی سرحد پر حملہ آور ہوجائے تو (وہاں بسنے والوں پر) جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے ۔ اسی طرح ان کے قرب وجوار میں بسنے والوں پر بھی جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے۔ البتہ جو لوگ ان سے پیچھے، دشمن سے فاصلے پر بستے ہوں، تو جب تک ان کی ضرورت نہ پڑ جائے، مثلاً: جس علاقے پر حملہ ہوا ہے اس کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگ دشمن کے خلاف مزاحمت کرنے میں بے بس ہوجائیں، یا بے بس تو نہ ہوں لیکن اپنی سستی کی وجہ سے جہاد نہ کریں، تو ایسی حالت میں ان کے گرد بسنے والوں پر بھی جہاد، نماز اور روزے کی طرح ''فرضِ عین ''ہوجاتا ہے اور اسے ترک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔ پھر فرضیت کا یہ دائرہ اس کے بعد اور پھر اس کے بعد والوں تک حسب ضرورت پھیلتا جاتا ہے یہاں تک کہ اسی تدریج سے بڑھتے ہوئے ایک وقت مشرق ومغرب میں بسنے والے ہر مسلمان پر جہاد فرض ہوجاتا ہے''۔ [1]

اور یہ جہاد وہ ہوتا ہے جس کے لئے ہر شرط ساقط ہوجاتی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وأما قتال الدفع فهو اشد انواع دفع الصائل عن الحرمة والدين فواجب اجماعا، فالعدو الصائل الذى يفسد الدين وا لدنيا لاشيئ أوجب بعد الايمان

[1] حاشیۃ ابن عابدین :۳/۲۳۸۔

من دفعه، فلایشترط له شرط(کلزاد والراحة)بل یدفع بحسب الامکان ، وقد نص علی ذلك العلماء، أصحابنا وغیرهم"[1]

"اور جہاں تک بات ہے "دفاعی قتال" کی تو حرمتوں اور دین پر حملہ آور دشمن کو پچھاڑنے کے لئے یہ قتال کی اہم ترین قسم ہے اور اسی لئے اس کے فرض ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ ایمان لانے کے بعد سب سے "اہم ترین فریضہ" دین و دنیا کو برباد کرنے والے حملہ آور دشمن کو پچھاڑنا ہے۔ اس کی فرضیت کے لئے کوئی شرائط نہیں (مثلاً زادِ راہ اور سواری موجود ہونے کی شرط بھی ساقط ہو جاتی ہے) بلکہ جس طرح بھی ہو دشمن کو پچھاڑا جائے گا۔ یہ بات علماء نے واضح طور پر بیان کی ہے، خواہ ہمارے مذہبِ فقہی کے علماء ہوں، یا دیگر فقہی مذاہب کے"

(۲) "اذا التقی الصفان وتقابل الزحفان"

"جب کفر و اسلام کے لشکروں کا آمنا سامنا ہو اور دونوں طرف کی صفیں ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں"۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ایها الناس!لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا الله العافیة فاذ لقیتموهم فاصبروا واعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف))

[1] الفتاوی الکبری ۴/۵۲۰۔

''اے لوگو! دشمن سے لڑنے کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عافیت طلب کرو۔ لیکن جب دشمن سے لڑنے کی نوبت آ ہی جائے تو ڈٹ جاؤ (اور پیٹھ نہ دکھاؤ) اور یہ جان رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے''۔[1]

ایسے موقعے پر جبکہ مسلمان اور کفار کے لشکر باہم مقابل ہوں تو جو کوئی جہاد سے پیٹھ پھیرے اور طرح طرح کے بہانے تراش کر جہاد سے راہِ فرار اختیار کرے تو سنئے اُس کے لئے اللہ رب العزت کس سزا کا فیصلہ فرمارہے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلا تُوَلُّوهُمُ الأَدْبَارَ ○ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾[2]

''اے ایمان والو! جب کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پیٹھ نہ پھیر دینا۔ اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا سوائے اس کے کہ وہ جنگی چال کے طور پر پیچھے ہٹ رہا ہو یا جماعت کے ساتھ ملنے کیلئے، اس کے علاوہ اگر کسی نے پسپائی اختیار کی تو وہ اللہ کے غضب کا حقدار ٹھہرے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے''۔

(۳) ''اذا أسر الكفار مجموعة من المسلمين''

''جب کفار کچھ مسلمانوں کو قید کرلیں''

---

[1] صحیح البخاری، ج:۱۰، ص:۱۲۴، رقم الحدیث: ۲۷۴۴۔ صحیح مسلم، ج:۹، ص:۱۶۹، رقم الحدیث: ۲۳۷۶۔

[2] الانفال: ۱۵، ۱۶۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فُکُّوا الْعَانِیَ))[1]

"قیدیوں کو رہا کرواؤ"

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"قیدیوں کو چھڑانا مسلمانوں پر واجب ہے، چاہے قتال کے ذریعے چھڑائیں یا اموال خرچ کر کے چھڑائیں، اور مال کے ذریعے چھڑانا زیادہ واجب ہے کیونکہ مال خرچ کرنا اپنی جانیں کھپانے سے کم تر اور زیادہ آسان ہے"۔[2]

امام المجاہدین عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں:

کیف القرار و کیف أمسلم　　　والمسلمات مع العدو المعتدی

قرار کہاں ہے؟ اور ایک مسلمان پر سکون کیسے ہو سکتا ہے جب کہ مسلمان عورتیں سرکش دشمن کی قید میں ہیں۔

الضاربات خدودھن برنة　　　الداعیات نبیھن محمد

جو چیخ و پکار کے ساتھ اپنے رخسار پیٹتی ہیں اور اپنے نبی محمد ﷺ کو پکارتی ہیں۔

القائلات اذا خشین فضیحة　　　جھد المقالة لیتنا لم نولد

---

[1] صحیح البخاری، ج:۱۰، ص:۲۵۷، رقم الحدیث:۲۸۱۹۔

[2] تفسیر القرطبی، سورۃ النساء: ۷۵۔

ذلت ورسوائی کے خوف سے وہ سخت ترین بات کہتی ہیں کہ اے کاش! ہم پیدا ہی نہ ہوتیں۔

مانستطیع ومالھا من حیلۃ   الا التستر من اخیھا بالید

نہ وہ طاقت رکھتی ہیں اور نہ ہی کوئی حیلہ کر سکتی ہیں سوائے اس بات کے کہ ہاتھ کے ساتھ اپنے بھائی سے پردہ کریں''۔[1]

(۴) ''اذا استنفر الامام افراداً أو قوماً وجب علیھم النفیر''

''جب امام کچھ افراد یا کسی قوم سے جہاد کے لئے نکلنے کا مطالبہ کرے، تو ان سب پر فرض ہو جاتا ہے کہ نکلیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا اسْتَنْفَرْتُمْ فَانْفِرُوْا))[2]

''جب تم سے جہاد میں نکلنے کے لئے کہا جائے تو نکل جاؤ''۔

[1] سیر اعلام النبلاء۸\ ۴۰۸۔

[2] صحیح البخاری، ج:۹، ص:۴۲۷، رقم الحدیث:۳۴۶۸۔ صحیح البخاری، ج:۱۰، ص:۳۰۹، رقم الحدیث:۲۸۴۸۔

جب مسلمانوں سے نکلنے کا مطالبہ ہو تو اس حکم کو شریعت کی اصطلاح میں ''نفیر عام'' کہا جاتا ہے اور یہ دو صورتوں میں فرض ہو جاتا ہے:

(الف) جب امام جہاد کے لئے پکارے۔

(ب) جب مسلمانوں کو مدد کی ضرورت پڑ جائے، خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے۔

چنانچہ اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''موطا امام مالک'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''یہ ضروری نہیں کہ کوئی خاص شخص مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارے کہ آؤ جہاد کرو۔ مقصود یہ ہے کہ ایسی حالت پیدا ہو جائے جو ''نفیر'' کا تقاضہ کر رہی ہو۔ پس جب کافروں نے بلادِ اسلامیہ (پر حملے کا) قصد کیا اور مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی شروع ہو گئی تو جہاد ''فرض'' ہو گیا، اور جب دشمنوں کی طاقت ان ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ قوی ہوئی اور مسلمانوں کی شکست کا خوف ہوا، تو یکے بعد دیگرے تمام مسلمانانِ عالم پر جہاد فرض ہو گیا، خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے۔ یہی حال تمام فرائض کا ہے۔ نماز کا جب وقت آجائے تو خواہ مؤذن کی صدائے حی علی الصلوٰۃ سنائی دے یا نہ دے، وقت کا آنا وجوب کے لئے کافی ہوتا ہے''۔

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں:

''فان عدم الامام لم یؤخر الجهاد لأن مصلحته تفوت بتأخيره''[1]

---

[1] المغنی: ۸/۲۵۳۔

''پس امام کی عدم موجودگی کی وجہ سے جہاد مؤخر نہ ہو گا، کیونکہ تاخیر کرنے سے جہاد کی مصلحت فوت ہو جائے گی''۔

اس مسئلے کو مزید واضح کرتے ہوئے امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایسے حالات بھی پیدا ہوسکتے ہیں جب ''نفیرِعام''(یعنی ہر ایک کا نکلنا)فرض ہو جائے۔لہٰذا دشمن جب مسلمانوں کی کسی سرزمین پر حملہ آور ہوں یا ان کے کسی علاقے کو گھیر لے تو جہاد ''تعین'' کے ساتھ ہر ایک پر فرض ہو جاتا ہے اور تمام لوگوں کے لئے جہاد کرنا اور اس کی خاطر گھروں سے نکلنا لازم ہو جاتا ہے۔ایسے میں اگر وہ ادائیگیٔ فرض میں کوتاہی کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔پس اگر نفیرِ عام کا حکم اس وجہ سے ہو کہ دشمن ہمارے کسی علاقے پر قبضہ کر لے یا مسلمانوں کو پکڑ کر قیدی بنا لے تو سب پر جہاد فرض ہو جاتا ہے کہ وہ جہاد کے لئے نکلیں،اور ہر حال میں نکلیں،خواہ ہلکے ہو یا بوجھل،سوار ہوں یا پیدل، غلام ہو یا آزاد............جس کے والد زندہ ہوں وہ ان کی اجازت کے بغیر نکلے اور جس کے والد فوت ہو چکے وہ بھی نکلے (اور جہاد کرتا رہے) یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آجائے، مسلمانوں کی سرزمین سے دشمن کا شر دور ہو جائے،اسلامی سرحدیں محفوظ ہو جائیں،دشمن رسوا ہو جائے،سارے مسلمان قیدی آزاد ہو جائیں............اور اس بارے میں ان علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔لیکن (سوال یہ ہے کہ) اگر سب لوگ ہی جہاد چھوڑ کر بیٹھے رہیں تو اکیلا بندہ کیا کرے؟اسے چاہیے کہ وہ کوئی قیدی تلاش کرے اور پیسے دے کر آزاد کرائے،اور اگر قدرت رکھتا ہو تو اکیلا ہی قتال کرے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو کسی مجاہد کو تیار کرے اور اسے سامان فراہم کرے''۔[1]

[1] احکام القرآن:۲/۹۵۴۔

اسی طرح جب مسلمانوں حکومت کرنے والا شخص ہی ''کفر بواح''کا مرتکب ہو جائے تو اس کے خلاف بھی جہاد ''فرض عین''ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور حدیث رسول ﷺ:

((دعانا رسول اللہ ﷺ فبایعناه فکان فیما اخذ علینا ان بایعنا والطاعة فی منشطنا ومکرهنا وعسرنا ویسرنا علینا وان لا ننازع الامر اهله قال الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللہ فیه برهان))[1]

''ہمیں بلایا رسول اللہ ﷺ نے۔ پس آپ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ ہم سنیں گے اطاعت کریں گے چاہے حالات سخت ہوں یا ساز گار، خوشی ہو یا غمی، ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے پھر بھی اور ہم اہل حکومت سے اختیارات واپس نہ لیں سوائے اس صورت کے کہ ان سے ایسا ''واضح کفر''سرزد ہو جائے جس کے کفر ہونے پر اللہ کے دین میں صریح دلیل موجود ہو''

اس کے تحت مشہور حنفی محدث وفقیہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اجمعوا علی ان الامامة لا تنعقد لکافر ولو طرأعلیه الکفر انعزل''[2]

''اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ کوئی کافر مسلمانوں کا حاکم نہیں بن سکتا اور اگر کوئی حاکم بننے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے تو (خود بخود) معزول قرار پائے گا''۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم ج:۳ص:۱۴۷۰۔

[2] مرقاۃ المفاتیح؛ج:۱۱،ص:۳۰۳۔

''اگر کوئی حکمران کفر کا ارتکاب کرے، یا شریعت میں کوئی ردوبدل کرے، یا کوئی بدعت جاری کرے تو وہ بطور حکمران باقی نہیں رہتا، اس کی اطاعت ''ساقط''ہو جاتی ہے اور مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ اگر وہ قدرت رکھتے ہوں تو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اسے ہٹا کر اس کی جگہ کوئی عادل حکمران مقرر کریں۔ نیز اگر پوری امت میں سے محض کوئی ایک گروہ یہ قدرت رکھتا ہو تو اس گروہ پر واجب ہو گا کہ وہ اس کافر حاکم کو اس کے منصب سے ہٹائے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر حکمران نے کسی اہم ''دینی امر''کی مخالفت کی تو اس کے خلاف قتال جائز ہو گا بلکہ واجب ہو گا۔ اس لئے کہ اب اس نے اپنی افادیت ختم کر دی ہے اور قوم کے لئے مزید'' فساد و بگاڑ'' کا سبب بن رہا لہٰذا اس کے خلاف قتال ''جہاد فی سبیل اللہ''کہلائے گا۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خلاصۂ کلام یہ کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ حکمران کفر کی بناء پر (ازخود) معزول ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر اس کے خلاف خروج میں حصہ ڈالنا واجب ہو جاتا ہے۔ پھر جو اس کی قدرت رکھے اور اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو وہ ثواب کا مستحق ہو گا، اور جو کوئی (قدرت کے باوجود) مداہنت و مصالحت کا رویہ اپنائے وہ گناہ گار ٹھرے گا اور جو کوئی اس کافر حکمران کے خلاف اٹھنے کی قدرت نہ رکھے، اس پر واجب ہے کہ وہ اس سرزمین سے ہجرت کر جائے''۔ [2]

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ، ج:۲ص:۳۹۹۔

[2] فتح الباری، ۱۳/۱۲۳۔

درجِ بالا چاروں شرائط کا اگر بغور جائزہ لیا جائے کسی بھی عقل وشعور رکھنے والے شخص کے لئے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آج مسلمانوں کے مجموعی حالات یا صورتحال میں کوئی ایک بھی سبب جہاد کے ''فرضِ عین''ہو جانے کے حوالے سے شاید نہ رہ گیا ہو؟

آج کفار و مشرکین مسلمانوں کے اکثر علاقوں میں قابض ہو چکے ہیں یا اُن کا اثر ونفوذ ان علاقوں میں اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ عملاً ان ہی کی عملداری ہو چکی ہے اور وہ ان علاقوں میں مسلمانوں کے جان ومال، عزت وآبرو کو اپنے لئے حلال سمجھ چکے ہیں، کفار ومشرکین اور مسلمانوں کے لشکر پوری دنیا میں باہم مقابل ہیں، آج مسلمانوں کے اکثر مقبوضہ علاقوں کے رہنے والے مسلمان مدد ونصرت کے محتاج ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کی اکثریت آج الحمد اللہ !ایک شخص کو مسلمانوں کا''امیر المومنین''تسلیم کرتے ہوئے مختلف محاذوں پر مقامی امراء کی قیادت میں کفارو مشرکین سے برسرپیکار ہیں اور آج مسلمان عورتوں اور مردوں کی ایک کثیر تعداد کفار ومشرکین کی قید میں ہیں، چاہے وہ ابوغریب جیل ہو یا کیوبا کے گوانتاناموکا عقوبت خانہ، کابل میں قائم مشہور زمانہ بگرام جیل ہو یا کفارو ومشرکین کے علاقوں کے علاوہ بلادِ اسلامیہ بشمول پاکستان، مصر، ترکی، سعودی عرب وغیرہ میں پھیلے ہوئے عقوبت خانے، جن میں اُن پر ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑے جارہے ہیں جن کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

لہٰذا آج جس شخص پر بھی یہ ''محکم دلائل''واضح ہو جائیں پھر بھی اس کو مسلمانوں پر جہاد کے فرضِ عین بلکہ ''اہم ترین فرضِ عین''ہونے میں کوئی شک یا تردد یا ابہام ہو، یا وہ لوگ جو اس ''فرض عین'' کی ادائیگی میں مصروف ہوں ان کو وہ بس ''کلہاڑے''چلانے والے، نفسانی خواہشات پر چلنے والے، بیوقوف، بے عقل اور جہنم کا حقدار ثابت کرے تو یہ کیفیت کسی کی نہیں ہوتی سوائے اس شخص کے جس کے دل اور کانوں پر اللہ رب العزت کی طرف سے مہر لگ گئی ہو اور آنکھوں پر حجاب آگیا ہو اور اس کے لئے ہدایت کے بدلے گمراہی اور نجات کے بدلے بربادی لکھ دی گئی ہو۔ چنانچہ قرآن اس کیفیت کو جس بیماری سے تعبیر کرتا ہے اس کو''نفاق''کہتے ہیں:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ﴾[1]

"اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے کہا کہ (جہاد سے متعلق) کیوں کوئی سورۃ نازل نہیں ہوتی؟ پس جب نازل ہو گئی ایسی محکم سورۃ جس میں (واضح) ذکر تھا قتال کا تو آپ نے دیکھا کہ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض تھا وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگے جیسے کسی شخص پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے"۔

جب کفار حملہ آور ہوں تو "دعوت" ساقط ہو جاتی ہے:

تبلیغی جماعت کے اکابرین عام مسلمانوں کے سامنے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ چاہے مسلمان کفر وارتداد کی طرف جا رہے ہوں یا پھر کفار مسلمانوں کی سرزمین پر حملہ آور ہو جائیں اور مسلمانوں کی عزت و جان سے کھیل رہے ہوں، پھر بھی مسلمانوں پر صرف اور صرف ایک چیز لازم ہے اور اسی میں ان کی نجات ہے اور وہ ہے "دعوت و تبلیغ"۔ چنانچہ اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپور والے کہتے ہیں:

"اور (آج) ہم ایسے رحیم و کریم ہیں کافروں پر کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم تم سے مقابلہ کر لیں گے (لیکن تم پر) اللہ کی مار نہیں پڑوانا چاہتے۔ کیونکہ اللہ کی مار تو جب پڑے گی جب ہم "دعوت" دیں گے اور ہم دعوت دیتے ہی نہیں، اس واسطے اللہ کی مار کیسے آئے گی؟ اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ نے عقل و سمجھ دی ہے کہ اس وقت جتنے "مجاہدین" ہیں، دنیا

---

[1] سورۃ محمد/القتال:۲۰۔

میں کبھی بھی اتنے نہیں ہوئے،اور جتنی مار اس وقت پڑرہی ہے اتنی کبھی نہیں پڑی۔سوچو تو سہی کہ قصہ کیا ہے آخر؟بدر میں ایک ہتھیار اور ایک تلوار نہیں اور وہ(کفار) تین گناہ ہیں اور ان پر غالب ہیں اور یہاں ساری مار پڑ رہی ہے۔اللہ نے عقل دی ہے سوچنا چاہیے!ایسے ہی نہیں کہ (لنگوٹ کس کس) کے چلتے چلے جائیں"۔[1]

مزید کہتے ہیں :

"دماغ تمہارا خراب ہو گیا ہے!کیا ہو گیا ہے تمہیں؟کہاں گئی عقل تمہاری۔جو چیز اللہ کے نظام میں نہیں ہے آپ کس طرح سے اس کو چلائیں گے۔اللہ کہتا ہے کہ گراہوا دین چاہے بالکل چلا جائے اور آدمی کفر میں داخل ہو جائے اور چاہے کافرانہ زندگی مسلمانوں نے اختیار کرلی ہو،ان کے نکالنے کا طریقہ صرف "دعوت" ہے اور کوئی نہیں"۔[2]

"یہ جو لوگ کہہ رہے ہیں نا کہ اللہ کی مدد کیوں نہیں آتی؟آپ نے اللہ کی مدد کا دروازہ ہی بند کر دیا ہے!مدد کوئی کافر سے "لڑنے" پر تھوڑی آتی ہے،مدد تو اس پر کہی تھی کہ "دعوت والوں" کے مقابلے پر کافر آئے گا تو مار کھائے گا"۔[3]

اب جبکہ یہ بات کسی صاحب عقل وفہم سے مخفی نہیں اور نہ ہی اس حقیقت سے کسی شخص کے لئے راہِ فرار ممکن ہے کہ فی الواقع آج پوری امت مسلمہ پر جہاد "فرض عین"ہو چکا ہے تو اس کے بعد شریعت کا یہ مسئلہ بھی مسلمانوں کے ذہن میں واضح ہونا چاہیے کہ ایسی صورت میں جبکہ کفار حملہ آور ہوں تو ان کو "دعوت" دینے کا حکم ساقط ہو جاتا ہے۔

---

[1] اسلام آباد اجتماع۔اگست،۲۰۰۹۔بحوالہ سرحد اسلامی کیسٹ ہاؤس،راولپنڈی۔

[2] کراچی اجتماع۔۲۹جولائی،۲۰۰۷۔بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[3] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۷ء۔بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

چونکہ تبلیغی جماعت کے اکابرین اپنی ”مروجہ دعوت و تبلیغ“ کے لئے نہ صرف مسلمان علاقوں میں لوگوں کو جماعت کی صورت میں روانہ ہونے کی ترغیب دیتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر خاص کر کفار کے علاقوں (مثلاً امریکہ ویورپ وغیرہ) میں بھی اپنی جماعتوں کو بھیجتے ہیں یہاں تک کہ اسرائیل میں بھی اپنی جماعت بھیجنے کے خواہاں نظر آتے ہیں اور اس کے لئے لوگوں سے چار چار مہینے، سات سات مہینے اور سال سال بھر کے لئے نکلنے کے تقاضے کئے جاتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اس کام کو دین اسلام کا سب سے اہم ترین فرض قرار دے کر اس پر جہاد و قتال کے فضائل و احکامات کو منطبق بھی کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا کفار کو ”دعوت اسلام“ دینے کے جو شرائط و احکامات شریعت نے واضح کئے ہیں اس کو مختصراً سمجھ لیتے ہیں تاکہ عام مسلمانوں کے سامنے اس مسئلہ کے بارے میں اصل حقیقت سامنے آجائے۔

کفار کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنے کے حوالے سے سب سے پہلی صورت یہ ہے کہ ”اقدامی جہاد“ ہو یعنی مسلمان کفار پر حملہ آور ہوں تو اس صورت میں کفار کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنا واجب ہے جبکہ ان تک یہ دعوت کسی بھی ذریعے سے نہ پہنچی ہو اور اگر یہ دعوت پہنچ گئی ہو تو پھر یہ دعوت دینا مستحب ہے، یعنی پسندیدہ ہے اور چھوڑنے پر گناہ نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر ان کفار تک اسلام کی دعوت بالکل نہیں پہنچی ہے تو امیر الحرب کے لئے ان سے لڑنا مناسب نہیں ہے اور اگر ان کو اسلام کی دعوت پہنچی ہے تو پھر امیر الحرب کے لئے مستحب ہے کہ لڑائی سے پہلے ان کو دعوتِ اسلام دے ورنہ جزیہ کی ادائیگی کا کہے۔ تاہم اگر واجب دعوت سے پہلے پہلے کسی نے کسی کافر کو قتل کر دیا تو دیت و قصاص نہیں ہے“[1]

جیسا کہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ”اقدامی جہاد“ میں کفار تک اگر دعوت پہنچی چکی ہو تو ان کو دوبارہ دعوت دینا گو کہ مستحب ہے لیکن اگر اس دعوت دینے میں جنگی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں کو

[1] رحمۃ الامت فی اختلاف الائمۃ، ص: ۲۹۳ بحوالہ دعوت جہاد ص: ۵۸۔

نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر دعوت نہیں دی جائے گی۔چناچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''در مختار ''سمیت دیگر کتابوں میں یہ مسئلہ واضح طور پر لکھا ہے کہ:

''اگر ہم نے کفار کا محاصر کر لیا ہو............تو جن کفار تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان سے قبل از دعوت لڑنا جائز نہیں ہے لیکن جن کفار تک دعوت پہنچی ہو تو ان کو پھر دعوت دینا مستحب ہے۔ہاں اگر اس دعوت میں جنگی حکمت عملی کے تحت ہمیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر دعوت نہیں دی جائے گی۔اگر کفار نے جزیہ قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا تو پھر ہم اللہ کا نام لے کر ان سے لڑیں گے۔ منجنیق (قدیم زمانے میں اس ہتھیار سے دشمن پر بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے) سے ان پر گولہ باری کریں گے، آگ سے انہیں جلائیں گے یا پانی میں ڈبوئیں گے اور ضرورت پڑنے پر ان کے باغات اور کھیتوں کو بھی تباہ کر دیں گے''۔

اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ''میں یہ بات مذکور ہے کہ:

''جس شخص کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو دعوت دینے سے پہلے اس سے لڑنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنے فوجی کمانڈروں کو یہ وصیت فرمایا کرتے تھے کہ ''ان کفار کے پہلے کلمۂ شہادت کی دعوت دیا کرو''اور اگر ان کو دعوت پہنچی ہے تو پھر دعوت دینا مستحب ہے کہ دعوت دینے میں خوب مبالغہ ہو جائے لیکن یہ دعوت واجب نہیں ہو گی کیونکہ نبی کریم ﷺ کی یہ صحیح حدیث ہے کہ آپ نے بنی مصطلق پر اس طرح چھاپہ مار کر حملہ بول دیا تھا کہ وہ لوگ بالکل بے خبر تھے اور اسی طرح آپ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ صبح سویرے علاقہ ''ابنی''کے لوگوں پر چھاپہ مار کاروائی کرو اور پھر علاقہ میں آگ لگادو۔(ظاہر ہے) کہ چھاپہ مار کر غارتگری کی کاروائی دعوت کے ساتھ نہیں ہو سکتی ہے''۔[1]

[1] ھدایہ، جلد ۱ صفحہ ۵۶۰۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ کفار تک دعوت اسلام پہنچنے کا مطلب کیا ہے اور اس کا معیار کیا ہے۔فقہاء نے اس کو یوں واضح کیا ہے:

”دعوت پہنچنا دو قسم پر ہے، حقیقتاً یا حکماً، اور حکماً اس طرح ہو تا ہے کہ مغرب و مشرق میں مشہور اور عام ہو جائے کہ یہ مسلمان کس چیز کی طرف بلاتے ہیں اور کس چیز پر ”لڑتے“ ہیں ۔چنانچہ اس ظاہری شہرت کو حقیقت کا قائم مقام سمجھا جائے گا“۔[1]

اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جن کفار کے گھر ہمارے قریب ہو تو ان کو ”دعوت اسلام“ دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ بوجہ پڑوسی کے دعوت الی الاسلام کو جانتے ہیں (مگر مانتے نہیں)۔اس لئے ان کے ساتھ لڑائی لڑی جائے گی اور ان کی غفلت کا انتظار نہیں کیا جائے گا،اور جن کے گھر ہم سے دور ہوں تو ان کو دعوت دینا ضروری ہے تاکہ شک وشبہ دور ہو جائے“۔[2]

اسی لئے بعض فقہاء کے نزدیک اب کافروں کو ”اقدامی جہاد“ سے پہلے دین اسلام کی طرف دعوت دینا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

” میں آج کسی مشرک کو ایسا نہیں پاتا کہ اس کو کسی نہ کسی طریقے سے اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ہاں ممکن ہے کہ مملکت ترکیہ کے پیچھے کچھ مشرک قومیں ہوں یا خزر (چیچنیا) کے پیچھے کچھ ایسے لوگ ہوں جن تک دعوت نہ پہنچی ہو تو ان لوگوں سے اگر لڑائی لڑنی ہو تو دعوت اسلام سے پہلے لڑائی نہیں ہونی چاہیے“۔[3]

---

[1] فتح القدیر،ج:۵ص:۱۹۶۔

[2] رحمۃ الامت فی اختلاف الائمۃ، ص:۲۹۳بحوالہ دعوت جہاد ص:۵۷۔

[3] رحمۃ الامت فی اختلاف الائمۃ، ص:۲۹۳بحوالہ دعوت جہاد ص:۵۷۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث کی شرح میں ''دعوت'' کے حوالے سے سلف کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں:

''وقال بعض اهل العلم لادعوة اليوم وقال أحمد لا أعرف اليوم أحدا يدعى''[1]

'' اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ آج دعوت کی ضرورت نہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ آج کل کسی (کافر) کو دعوت دینا ضروری ہے''۔

یہ ہیں وہ احکامات جو کہ ''اقدامی جہاد''کی صورت میں دعوت الی الاسلام کے لئے شریعت نے واضح کئے۔

لیکن جب کفار حملہ آور ہو جائیں، تو فقہاء کرام کے نزدیک یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ:

''وَاِنْ هَجَمُوْا عَلَيْنَا سَقَطَتِ الدَّعْوَةُ''[2]

'' اگر کفار نے ہم پر چڑھائی کر کے ہلہ بول دیا تو دعوت ساقط ہو جائے گی''۔

ہاں دعوت کی صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے۔اس کو فقہاء کرام یوں بیان کرتے ہیں:

''الجهاد دعوة قهرية''[3]

''جہاد قوت وغلبہ کے ذریعے ''دعوت'' پھیلانے کا نام ہے''۔

---

1 سنن الترمذی،ج:٦،ص:٣٧، رقم الحدیث:١٤٦٨۔

2 الکوکب الدری شرح ترمذی صفحہ٤١٣۔ از مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

3 حاشیۃ الشروانی وابن القاسم علی تحفۃ المحتاج علی المنھاج :٩/٢١٣۔

سوچنے اور غور و فکر کا مقام ہے کہ آج جبکہ معاملہ یہ ہو کہ پوری امت مسلمہ پر جہاد کے ”فرض عین“ ہونے کے سارے اسباب و شرائط پورے ہو چکے ہوں تو ایسی صورت میں بجائے مسلمانوں کو اس ”فرض عین“ کی ادائیگی یا اس کی تیاری کرنے کے لئے پکارا جائے یا کم از کم اس ”فرض عین“ کی ادائیگی کرنے والے کی مدد و نصرت کی جائے اور اس پر عام مسلمانوں کو ابھارا جائے، حالت یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کی جانب سے دوطرفہ طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے۔ ایک طرف وہ شریعت کی طرف سے عائد کردہ اس ”فرض عین“ کی ادائیگی کی طرف کوئی توجہ نہیں دلاتے جو کہ ازروئے شریعت نماز، روزہ، حج سے بھی زیادہ مقدم ہو جاتا ہے بلکہ اس فرض عین کی ادائیگی کرنے والوں سے انتہائی نفرت اور بغض و عناد کا اظہار کیا جاتا ہے اور عام مسلمانوں کے سامنے ان کو گمراہ اور بھٹکا ہوا ثابت کیا جاتا ہے۔

اور دوسری طرف محسوس ایسا ہوتا ہے کہ عام مسلمانوں کو اس فرض عین سے غافل رکھنے اور اس کی ادائیگی کے لئے مال و جان سے قربانی دینے کے جذبے کو ٹھنڈا رکھنے کی خاطر ان کو اپنی ”مروجہ دعوت تبلیغ“ کے نام پر ایسے عمل کی طرف لگا دیا جاتا ہے جس کا آج کے حالات میں عام مسلمانوں سے تقاضہ ہی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اہل ایمان جو کہ آج شریعت کے طرف سے عائد کردہ ”فرض عین“ کی ادائیگی یعنی ”دفاعی جہاد“ میں مصروف ہیں، ان پر بہتان لگانا اور یہ افتراء بازی کرنا کہ انہوں نے کافروں پر ”دعوت کی حجت“ تو قائم کی نہیں اور خوامخواہ کفار کے خلاف جہاد کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔

بات یہ ہے کہ جب فقہاء کرام ”اقدامی جہاد“ کے لئے یہ سمجھتے ہیں کہ کفار کو دعوت اب واجب نہیں رہی تو آج کیوں ”دفاعی جہاد“ کے لئے دعوت کو پہنچانے کا ہی نہیں بلکہ اس کی حجت تمام کرنے کو بطور ”فرض“ دفاعی جہاد کرنے والوں پر عائد کیا جاتا ہے۔ کیا ”اکرام مسلم“ کا یہی تقاضہ ہے کہ ایک آدمی کے گھر قاتل اور ڈکیت گھس آئیں اور وہ اس کے گھر کا نہ صرف مال و متاع لوٹ رہے ہوں بلکہ اس کی عزت و ناموس سے بھی کھیل رہے ہوں اور اس کے گھر والوں کا قتل عام بھی کر رہے ہوں تو ہم

بجائے اس کی مدد و نصرت کرنے کے، اس کو یہ مشورہ دیں کہ " تم اپنے مال ومتاع لوٹنے والے قاتلوں سے نہ لڑو بلکہ ان کو ہمدردی، پیار و محبت اور امن وآشتی سے نصیحت کرو کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے اور نہ صرف نصیحت کرو بلکہ ان پر اس کے کام کے نقصانات اور وبال کو مدلل دلائل سے ہمدردانہ طور پر واضح کرو اور اس حوالے سے ان پر پوری حجت تمام کرو اور اس کے ساتھ ساتھ تم اپنے اعمال واخلاق بھی اس دوران درست کرنے کی کوشش کرو پھر کہیں جاکر تم ان سے لڑسکتے ہوں ورنہ بصورت دیگر تم خود ہی اس تمام صورتحال کے ذمہ دار ٹھروگے"۔

تھوڑی سی بھی سمجھ بوجھ والا شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کرے گا کی ایسا مشورہ دینے والے لوگ نہ صرف عقل ودانش سے محروم ہوچکے ہیں بلکہ بنیادی انسانی احساسات سے بھی بالکل عاری ہوچکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر ایک صحابی نے دریافت کیا:

((یارسول الله! أرأیت ان جاء رجل یرید اخذ مالیقال فلاتعطه مالك قال أرأیت ان قاتلني قال قاتله قال أرأیت ان قتلنی قال فأنت شهید قال أرأیت ان قتلته قال هو فی النار))[1]

"یارسول اللہ! اگر کوئی آدمی میرے پاس آئے اور میرا مال چھیننا چاہے تو میں کیا کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے اپنا مال مت دو" اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ سے لڑے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تو تم بھی اس سے لڑو"۔ اس شخص نے پوچھا کہ اگر مجھے وہ قتل کردے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تو تم شہید ہوگے"۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اس کو قتل کردو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ جہنم میں جائے گا"۔

[1] صحیح مسلم، ج:۱، ص:۳۴۰، رقم الحدیث:۲۰۱۔

سلف صالحین اور علمائے امت نے ان ہی احادیث کی بنیاد پر "عدوّ صائل" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ دشمن ہے جو کہ اُن "ضروریات خمسہ" (پانچ بنیادی ضروریات) پر حملہ آور ہو جائے جس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو نازل فرمایا ہے۔ ضروریات خمسہ پانچ ہیں:

(۱) دین

(۲) جان

(۳) عزت / نسل

(۴) عقل

(۵) مال

"ضروریات خمسہ" بھی ایک شرعی اصطلاح ہے جس کو فقہاء کرام نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے "ضروریات خمسہ" کے دفاع میں مارے جانے والے کو شہید قرار دیا ہے:

((من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهوشهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد))[1]

[1] النسائی، ج:۱۲ص:۴۶۵رقم:۴۰۲۷۔ مسند احمد، ج:۴ص:۷۶رقم:۱۵۶۵۔
وابوداود، ج:۱۲ص:۳۸۸رقم:۴۱۴۲۔ الترمذی، ج:۵ص:۳۱۵رقم:۱۳۴۱ وقال الترمذی حدیث حسن صحیح۔

”جو شخص اپنے مال کے دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے دین کا تحفظ کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنا جان بچاتے ہوئے مار گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل خانہ کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے“۔

درج بالا حدیث میں چار چیزوں کا ذکر ہے جبکہ ایک اور حدیث میں پانچویں چیز کا ذکر یوں ہے:

((من قتل دون مظلمته فهو شهيد))[1]

”جو شخص اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے“۔

ضروریاتِ دین میں فقہاء کرام کی قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کردہ ترتیب کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس ترتیب کے مطابق دین کی حفاظت جان، عزت، عقل اور مال سب پر مقدم ہے۔

چنانچہ اب اس بات کو سمجھ لینا بھی مشکل نہیں ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے حالات میں جبکہ صرف دنیاوی مال لٹنے کا خطرہ تھا، یہ حکم نہیں دیا کہ تم صبر کرو، اس کو سمجھاؤ، اس پر حجت تمام کرو۔ تو آج پھر کسی شخص کو کیسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں پر یہ چیز لازم کرے کہ وہ ”دین و دنیا“ کو ہر لحاظ سے تباہ و برباد کرنے کے لئے آنے والے دشمنوں سے دفاع کرنے کے بجائے صبر سے کام لیں، پہلے ان کو دعوت دیں، ان کو سمجھائیں، حجت تمام کریں پھر کہیں جا کر ان سے لڑیں وہ بھی اگر مساوی طاقت ہو، ورنہ اس کی بھی ضرورت نہیں۔ چناچہ جو کوئی بھی اس طرح کی بات کرے اور اس بات کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نسبت کرے تو اس سے بڑھ کر دین اسلام کی جڑیں کھودنے والا کوئی نہیں۔

تبلیغی جماعت کے متعلقین واحباب سے ایک ہمدردانہ گزارش:

---

[1] سنن النسائی، ج: ۱۲، ص: ۴۶۱ رقم: ۴۰۲۵۔ مسند احمد، ج: ۶ ص: ۱۷۵ رقم: ۲۶۴۳۔

ضمناً ایک ہمدردانہ گزارش تبلیغی جماعت کے متعلقین واحباب کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح کلمہ طیبہ کی صرف زبان سے ادائیگی نجات کا باعث نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے عملی تقاضوں کا ''علم'' حاصل کرکے اس پر عمل نہ کیا جائے۔اسی طرح کسی بھی منہج اور فکر کی بنیاد پر کی جانے والی جدوجہد اور چلت پھرت اللہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل نہیں کرسکتی جب تک کہ اس بارے میں ''علم'' حاصل نہ ہو جائے کہ آیا یہ منہج اور فکر شریعت کے عین مطابق ہے یا نہیں۔ چنانچہ تبلیغی جماعت کے متعلقین واحباب کو بھی اس بات کی طرف توجہ دینی چاہیے کہ کہیں ''دین سے لاعلمی ''کی وجہ سے ان کے شب وروز کی ساری محنتیں اور کاوشیں ''اصل فریضہ ''(یعنی جہاد جس کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے) کی ادائیگی کے بجائے کہیں اُس کام کے لئے لگ رہی ہوں جس کا تقاضہ شریعت نے ان سے کیا ہی نہیں چنانچہ مسلمانوں کا وقت کے اہم ترین ''فرض عین ''یعنی جہاد کے فریضہ کی ادائیگی کے بجائے ایک طرف حملہ آور کفار کو دعوت دینے کے لئے ان کے علاقوں میں ان کے ''کفریہ قوانین'' کو تسلیم کرتے ہوئے جانااور دوسری طرف جہاد جبکہ وہ فرض عین ہونے کی وجہ سے نماز، روزہ، حج سے بھی مقدم ہو چکا ہو تو مسلمانوں کا صرف ان ارکان اسلام کے فضائل اور ذاتی واخلاقی اصلاح کی طرف متوجہ رہنا اوراصل فریضہ کی ادائیگی سے عدم توجہی اور غفلت برتنا کہیں ان کی ساری محنتیں اور کوششیں رائیگاں وبیکار ٹھہرنے کا سبب نہ بنیں۔ چناچہ وہ اپنی تمام کوششوں اور محنتوں کو اب قرآن وسنت اور سلف وصالحین کے بیان کردہ ''علم شرعی'' پر پرکھیں ورنہ بصورت دیگر اُس بات کے واقع ہونے کا شدید اندیشہ ہے جس کا ڈر خود تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے آخری ایام میں ہو گیا تھا اور نہایت علالت کے باوجود اس کا اظہار انہوں نے اپنی جماعت کے اراکین کے سامنے کر دیا تھا، جس کو مولانا زکریا صاحب مرحوم ہی اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں:

''ایک دن بعد نماز فجر جبکہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولانا (الیاس رحمۃ اللہ علیہ) کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دوچار الفاظ باآواز نہیں فرماسکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطہ سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ:

''آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ ''علم دین'' اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر یہ دونوں چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا ''فتنہ اور ضلالت'' کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے دین کا۔ اگر علم ہی نہیں تو اسلام اور ایمان محض رسمی اور اسمی ہے. لہذا ''علم'' اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے ورنہ آپ کی یہ ''تبلیغی تحریک'' بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی اور خدا نکروہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے''۔ [1]

[1] تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات'' از مولانا زکریا صاحب مرحوم۔ ص:۲۴،۲۳۔

﴿چوتھی اصطلاح﴾

”نبی کا طریقہ“

محمدالرسول اللہ کا مطلب؟

تبلیغی جماعت کے اکابرین و احباب بڑے وثوق سے ”کلمہ طیبہ“ کے دوسرے حصہ ”محمد الرسول اللہ“ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

”نبی کے طریقے میں کامیابی ہے اور غیر نبی کے طریقے میں ناکامی ہے“۔

پھر اس بنیاد پر لوگوں کو یہ کہتے ہوئے اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے میری، آپ کی اور تمام انسانوں کی کامیابی پورے کے پورے دین میں رکھی ہے! چنانچہ یہ دین میری، آپ کی اور سارے عالم کے انسانوں کی زندگی میں کیسے آجائے؟ اس کے لئے نبی کریم ﷺ والے طریقے اور محنت کی ضرورت ہے“۔

پھر ”نبی کے طریقے“ کی تشریح کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ پیار و محبت، رواداری اور بھائی چارے کے ساتھ پر امن طریقے سے کرنی چاہیے۔ طاقت کا استعمال یا اسلحہ کے زور پر شریعت کے نفاذ درست نہیں۔ چناچہ اب ہم اسی حوالے سے اکابرین تبلیغی جماعت کے کچھ افکار و نظریات جو کہ ریکارڈ شدہ ہیں، ان کو بھی نقل کر دیتے ہیں تاکہ اس ضمن میں اصل حقیقت کو پہچانا جاسکے۔

کیا دین کا قیام صرف ”دعوت“ سے ہو گا، خلافت سے نہیں؟

اکابر تبلیغی جماعت مولانا محمد احمد صاحب بہاولپور والے کہتے ہیں:

''دین کیسے قائم ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ دین کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے میں نے ہمیشہ انبیاء کو بھیجا ہے اور وہ سب ''اصحاب دعوت'' تھے۔ دین جب بھی آیا ہے اور جن میں بھی آیا ہے وہ ''دعوت'' کے راستے سے آیا ہے! دین کبھی '' حکومت و خلافت'' کے راستے سے نہیں آیا ہے۔ مغالطہ یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت دین لاتی ہے یا خلافت دین لاتی ہے۔ (یاد رکھئے) دین آتا ہے ہمیشہ ''دعوت'' کے راستے سے''۔[1]

''اور عقل کیا کہتی ہے کہ ''خلافت'' قائم ہو جائے گی، حکومت الٰہی آجائے گی تو دین قائم کردیں گے۔ دماغ تمہارا خراب ہو گیا ہے! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کہاں گئی عقل تمہاری۔ جو چیز اللہ کے نظام میں نہیں ہیں آپ کس طرح سے اس کو چلائیں گے۔ اللہ کہتا ہے کہ گراہوا دین چاہے بالکل چلا جائے اور آدمی کفر میں داخل ہو جائے اور چاہے کافرانہ زندگی مسلمانوں نے اختیار کرلی ہو،ان کے نکالنے کا طریقہ صرف ''دعوت'' ہے اور کوئی نہیں''۔[2]

''اس لئے میں عرض کررہا ہوں کہ وہ(صحابہ) اپنے مقام کو سمجھتے تھے۔ وہ اپنی عبادت کو ،اپنے ذکر کو ،اپنے علم کو، اپنی ''خلافت'' کو نہیں پیش کرتے تھے !وہ کہتے تھے ہم ''نمائندے'' ہیں، ہم ''صاحبِ دعوت'' ہیں اور کم قسمتی کی بات (یہ ہے کہ) امت اس چیز کو سب سے بڑی نعمت سمجھتی تھی اور سب سے بڑا منصب سمجھتی تھی (لیکن) آج امت اس مقام پر ہے کہ ''کباڑی کاموں'' کی قیمت ہے اور نبی کی محنت کو اتنا گھٹیا سمجھتے ہیں کہ اس کے لئے اوّل تو (کچھ) کرنے کو تیار نہیں''۔[3]

---

[1] کراچی اجتماع۔۲۸ جولائی،۲۰۰۷۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[2] کراچی اجتماع۔۲۹ جولائی،۲۰۰۷۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[3] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۸ء۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

”لیکن اللہ رب العزت نے راستہ جو رکھا ہے نہ وہ علم رکھا ہے، نہ ذکر رکھا ہے، نہ ”خلافت“ رکھا ہے، تمام انبیاء کو ”دعوت کے راستے“ سے بھیجا ہے۔ دعوت بنیاد ہے اس سارے نظام کے چلنے کی جس کو آپ ”دین“ کہتے ہیں۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ عمارت کیسے باقی رہ سکتی ہے؟[1]

”کہتے ہیں کہ کہیں تھوڑا بہت ملک مل جائے تو اس میں ”قوانین اسلامی“ جاری ہو جائیں تو بس خلافت بن گئی، تو اللہ کہتا ہے کہ ”یہ خلافت تھوڑی ہے! اس کو خلافت تھوڑی کہتے ہیں کہ کہیں تمہیں زمیں کا ٹکڑا مل جائے وہاں تم اسلامی قوانین جاری کر دو“۔ خلافت کس کو کہتے ہیں؟ خلافت نام اس کا ہے کہ ”میں پوری کائنات کے نام میں یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ یہ میرا ہو گیا ہے، اس کو میں نے اپنا نائب بنادیا ہے، جس طرح میرے حکم کو مانتے ہو اسی طرح اس کا حکم کو مانو“۔[2]

”کیونکہ یہ مجمع اہل فہم، اہل علم اور اہل عقل کا ہے۔ اس لئے یہ بات عرض کر رہا ہوں کہ ایک ہے لائے ہوئے (یعنی قائم شدہ) دین کو چلانا اور ایک ہے گرے ہوئے دین کو لانا ۔ میری بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نہیں آرہی؟ ایک ہے آئے ہوئے دین کا چلانا اور ایک ہے گرے ہوئے دین کو دوبارہ لانا۔ آئے ہوئے دین کو چلانے کے لئے تین بنیادی شعبے ہیں جو چلانے والے ہیں دین کے ، مدرسہ ہے ، خانقاہ ہے اور ”خلافت“ ہے۔ لیکن دین چلا جائے تو ان کے بس کی بات نہیں ہے اس دین کو واپس لانا (یعنی قائم کرنا)، ان کی ترتیب

[1] رائیونڈ اجتماع ۲۰۰۸ء۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

[2] رائیونڈ اجتماع۔ ۷ نومبر، ۲۰۰۹۔ بحوالہ پاک ریکارڈنگ سینٹر کراچی۔

میں ہے ہی نہیں۔ یہ دین لا نہیں سکتے، آئے ہوئے دین کو چلا سکتے ہیں۔ دین چلا جائے تو اس کو لانے کے لئے اللہ نے ایک ہی نام رکھا ہے، اس نظام کو ''نظام دعوت'' کہتے ہیں!''[1]

''علمائے امت ہیں، یہ کیا کہتے ہیں؟ یہ جھگڑا جو چل رہا ہے وہ کیا ہے؟ اور بڑے عرصے سے ہے، ابھی کا نہیں ہے پرانا جھگڑا ہے! یہ (علماء امت) کیا کہتے ہیں؟ یہ اللہ کو کہتے ہیں کہ ہمیں پہلے خلافت چاہیے اور اللہ کہتے ہیں کہ خلافت تو میں سب سے آخر میں دیتا ہوں۔ اللہ کہتے ہیں میری رضا اور ترتیب میں کیا ہے؟ سب سے پہلے دعوت ہے، پھر اس کے بعد دعوت کے ذریعے سے ''عبدیت کا نظام'' قائم ہوتا ہے، انسان میرے بن جاتے ہیں پھر میں اپنی معیت کا اعلان کرتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ ہو گیا ہوں، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں، پھر اس کے بعد میں ''خلافت'' دیتا ہوں۔ تم الٹی چکی چلانا چاہتے ہو کہ پہلے تمہیں خلافت دے دی جائے اور قیامت تک بھی بولو گے تو اس طرح سے کچھ نہیں ہو گا؟[2]

الٹی چکی کون چلا رہا ہے؟

اس سے پہلے کہ ہم خلافت سے متعلق اکابر تبلیغی جماعت کے درجِ بالا بیانات کا جائزہ لیں۔ ہم فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں یہ بات سمجھنے کی کوشش کریں گے ''اقامتِ دین'' کا خلافت سے تعلق کیا ہے؟ تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے کہ ''الٹی چکی کون چلا رہا ہے؟''۔ آیا وہ لوگ جو خلافت کے قیام کو دین کے مکمل قیام کے لئے لازم و ملزوم سمجھتے ہیں اور اس کے لئے جہاد و قتال کر رہے ہیں یا پھر اکابر تبلیغی جماعت جو کہ صرف زبانی دعوت کے ذریعے ہی خلافت کے قیام کے قائل ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''اقامت دین'' کے لئے ''خلافت'' کے لزوم کو یوں بیان فرماتے ہیں:

---

[1] رائیونڈ اجتماع۔ ۷ نومبر، ۲۰۰۹۔ بحوالہ پاک ریکارڈنگ سینٹر کراچی۔

[2] رائیونڈ اجتماع۔ ۷ نومبر، ۲۰۰۹۔ بحوالہ پاک ریکارڈنگ سینٹر کراچی۔

''الخلافة هى الرياسة العامة فى التصدى لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتله واعطاهم من الفئ والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهى عن المنكر نيابة عن النبى ﷺ''۔[1]

''خلافت عامہ وہ ریاست عامہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ''نیابت و جانشینی'' کرتے ہوئے عملاً ''اقامت دین'' کے لئے حاصل ہوئی ہو یعنی علوم دینیہ کا احیاء، ارکان اسلام کی اقامت ،جہاد اور متعلقات جہاد کا قیام جیسے افواج کی ترتیب، مجاہدین کے وظائف دینا،مال غنیمت کی تقسیم ،نظام عدالت کا قیام، حدود (شریعہ) کا اجراء، مظالم کو دور کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا شامل ہیں''۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو خلافت کا قیام ''رکن دین'' میں سے ہے:

''انها ركن من اركان الدين الذى به قوام المسلمين''۔[2]

''اور وہ (امامت) ''ارکان دین'' میں سے ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کے اجتماعی نظام کا قیام ہوتا ہے''۔

امام الماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''الامامة موضوعة لخلافة البنوة فى حراسة الدين و سياسة الدنيا به''[3]

[1] ازالۃ الخفاء عن الخلافۃ الخلفاء، ج:۱، ص:۱۷۔

[2] الجامع لاحكام القرآن، ج:۱، ص:۲۵۲۔

[3] الاحكام السلطانية۔

''امامت (یا خلافت) دین کی حفاظت کرنے اور اس کے ذریعے دنیاوی امور کی تدبیر اور نظم ونسق کرنے میں نبوت کی نیابت ہے''۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

''فھی فی الحقیقة خلافة عن صاحب الشرع فی حراسة الدین وسیاسة الدنیا به''

''درحقیقت خلافت ''دین کی حفاظت'' کرنے اور اس کے ذریعے دنیوی امور کی تدبیر اور نظم ونسق کرنے میں صاحب شریعت (رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کی نیابت اور جانشینی کا نام ہے''۔

امام الحرمین فرماتے ہیں:

''فالقول الکلی ان الغرض استبقاء قوائد الاسلام طوعا وکرھاوالمقصد الدین''[1]

''کلی بات یہ ہے کہ (خلافت کے قیام کی) غرض طوعاً وکرھاً قواعد اسلام کی بقاء ہے اور مقصد ''دین کا قیام'' ہے''۔

علامہ تفتازانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ان الشارع امر باقامة الحدود وسد الثغور وتجھیزالجیوش للجھاد وکثیر من الامور المتعلقة بحفظ النظام وحمایة بیضة الاسلام ممالایتم الا بالامام وما لا یتم الواجب المطلق الا به وکان مقدورا فھو واجب''۔[2]

---

[1] ازالة الخفاء عن الخلافة الخلفاء، ج:۲،ص:۲۲۲۔

[2] شرح المقاصد؛ج:۵،ص:۵۳٦۔

''شارع نے حدود (اللہ) کے قائم کرنے، سرحدوں کے حفاظت، جہاد کے لئے لشکر کو تیار کرنے اور بہت سے ایسے امور کا حکم دیا ہے جو نظام کی حفاظت اور مرکز اسلام کے تحفظ سے متعلق ہیں، جو کہ امام (خلیفہ) کے بغیر ادا نہیں ہو سکتے اور جو مطلق فریضہ جس چیز کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا تو وہ چیز از خود واجب ہو جاتی ہے''۔

علامہ تفتازانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وقد ذکر فی کتبنا الفقھیة انه لابد للامة من امام یحي الدین وقیم السنة وینتصف للمظلومین ویستوفی فی الحقوق ویضعھا مواضعھا''۔[1]

''ہماری فقہی کتابوں میں یہ بات مذکور ہے کہ امت کے لئے ایسے امام کا وجود لازم ہے جو دین کا احیاء کرے، سنت (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کو قائم کرے، مظلوموں کو انصاف دلائے، حقوق لے کر ان کے مستحقین کو دے''۔

امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''والمسلمون لابد لھم من امام یقوم بتنفیذ احکامھم واقامة حدودھم وسد ثغورھم وتجھیز جیوشھم واخذ صدقاتھم وقھر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطریق واقامة الجمعة والاعیاد''۔[2]

---

[1] شرح المقاصد؛ج:۵،ص:۲۳۵۔

[2] شرح العقائد النسفیة۱۰۳۔شامی ،ج:۲،ص:۲۸۰۔

''مسلمانوں کے لئے ایسے امام کا ہونا ناگزیر ہے جو احکامات (شرعیہ) کو نافذ کرے، حدود (اللہ) کو قائم کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے، صدقات وصول کرے، سرکشوں، چوروں اور ڈاکوؤں پر قابو پائے اور جمعہ و عیدین کو قائم کرے''۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اقامت خلافت کو فرائض دینیہ میں سے سب سے بڑا فریضہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یجب ان یعرف ان ولایۃ امر الناس من اعظم واجبات الدین بل لاقیام للدین ولا الدنیا الابھا''۔[1]

''یہ جان لینا واجب ہے کہ لوگوں کے (اجتماعی) معاملات کے لئے ولایت (خلافت) دین اسلام کے فرائض میں سے ایک بڑا فریضہ ہے بلکہ دین و دنیا کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے''۔

''ولا ان اللہ تعالیٰ اوجب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر ولا یتم ذلك الابقوۃ وامارۃ وکذلك سائر ما اوجبه من الجھاد والعدل واقامة الحج والجمع والاعیاد ونصر المظلوم واقامة الحدود لا تتم الا بالقوۃ والامارۃ''۔[2]

''اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو واجب قرار دیا ہے اور یہ طاقت و امارت (یعنی خلافت) کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام وہ احکام جن کو اللہ نے واجب کیا ہے یعنی جہاد، عدل کا قیام، حج و جمعہ و عیدین کی اقامت، مظلوم کی مدد اور اقامت حدود (اللہ)، طاقت و امارت کے بغیر پورے نہیں ہوتے ہیں''۔

---

[1] السیاسة الشرعیة، ص:۱۶۱۔

[2] مجموعة فتاویٰ ابن تیمیة رحمۃ اللہ علیہ، ج:۲۸، ص:۳۹۰۔

"ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس بات کو خوب سمجھ لے کہ مسلمانوں کے لئے اسلامی خلافت دین کے بڑے واجبات میں سے ایک واجب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کا قائم رہنا خلافت کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ کیونکہ انسان کے اجتماعی زندگی کے مصالح خلافت کے بغیر نامکمل ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے۔ یہ دونوں بغیر خلافت و امارت اور بغیر قوت کے نامکمل ہیں۔ اسی طرح دیگر واجبات مثلاً مظلوم کی مدد، عیدین کے قیام، نماز جمعہ کا انتظام اور جہاد و حج کے احکام بغیر قوت و امارت و خلافت کے نامکمل ہیں"۔ [1]

خلافت کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ترتیب:

فقہاء کرام کے درج بالا کلام کے بعد اب اس بات کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ اکابر تبلیغی جماعت کے خلافت سے متعلق نظریات وافکار پر مزید بحث کی جائے۔ سوائے اس بات کے کہ جس میں وہ کہتے ہیں:

"اور عقل کیا کہتی ہے کہ "خلافت" قائم ہو جائے گی، حکومت الٰہی آجائے گی تو دین قائم کر دیں گے۔ دماغ تمہارا خراب ہو گیا ہے! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کہاں گئی عقل تمہاری۔ جو چیز اللہ کے نظام میں نہیں ہیں آپ کس طرح سے اس کو چلائیں گے"۔ [2]

"اللہ کہتے ہیں میری رضا اور ترتیب میں کیا ہے؟ سب سے پہلے دعوت ہے، پھر اس کے بعد دعوت کے ذریعے سے "عبدیت کا نظام" قائم ہوتا ہے، انسان میرے بن جاتے ہیں پھر میں اپنی معیت کا اعلان کرتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ ہو گیا ہوں، تم میرے ہو اور میں

---

[1] منہاج السنۃ، ج:۱ص:۱۴۶۔

[2] کراچی اجتماع۔۲۹ جولائی، ۲۰۰۷۔ بحوالہ علمی کیسٹ گھر کراچی۔

تمہارا ہوں، پھر اس کے بعد میں "خلافت" دیتا ہوں۔ تم الٹی چکی چلانا چاہتے ہو کہ پہلے تمہیں خلافت دے دی جائے اور قیامت تک بھی بولوگے تو اس طرح سے کچھ نہیں ہو گا؟"۔[1]

مولانا صاحب کا یہ کہنا ہے کہ "خلافت سے کبھی دین قائم نہیں ہوا" اور یہ کہ اللہ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق خلافت کے قیام سے پہلے لازمی چیز "عبدیت کا نظام" قائم ہونا ہے اور جب تک یہ قائم نہ ہو تو خلافت کا قیام ممکن ہی نہیں۔

لہٰذا ہم اس بات کو بھی سمجھ لیتے ہیں کہ "خلافت کے قیام" کے لئے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ترتیب کیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک "عبدیت کا نظام" کب قائم ہوتا ہے؟ اس بات کو واضح کرنے کے لئے قرآن کریم کی ایک ہی آیت کافی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کے قیام کے لئے اپنی بتائی ہوئی ترتیب کھلے الفاظ میں یوں بیان کی:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[2]

"وعدہ ہے اللہ کا ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے کہ ان کو لازماً زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسے کہ اِن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ اور یقیناً (اس کے نتیجے میں) اِن کے لئے اُس دین کو مضبوطی کے ساتھ جمادے گا (یعنی قائم کردے گا) جسے اِن کے لئے اُس نے پسند کیا اور اِن کے حالتِ خوف کو حالتِ امن سے بدل دے گا (تاکہ) وہ میری ہی

[1] رائیونڈ اجتماع۔ ۷ نومبر، ۲۰۰۹۔ بحوالہ پاک ریکارڈنگ سینٹر کراچی۔
[2] النور: ۵۵۔

عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔اس (بات کے واضح ہونے) کے بعد بھی جو لوگ کفر کریں وہ یقینا فاسق ہیں''۔

چنانچہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کی بتائی ہوئی ترتیب میں ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ﴾ یعنی ''دین کا قیام'' اور ﴿يَعْبُدُونَنِي﴾ یعنی ''عبدیت کا نظام'' قائم ہی خلافت کے قیام کے بعد ہوتا ہے اور خلافت کے قیام کے لئے صرف ایک شرط ''دعوت'' نہیں رکھی جیسا کہ مولانا صاحب کا کہنا ہے، بلکہ دو شرائط رکھیں ہیں:

(۱) ایمان

(۲) عملِ صالح

چنانچہ ہم ان دونوں شرائط کو بھی سمجھ لیتے ہیں جس کے ساتھ اللہ رب العزت نے ''خلافت'' یعنی دین کی اقامت کا وعدہ کیا ہے۔

ایمان سے مراد؟

رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد ایمان کی جامع ترین تعریف ہے:

((لايؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعا لماجئت به))[1]

---

[1] مشكوٰة المصابيح،ج:١،ص:٣٦، رقم الحديث:١٦٧۔السنة لابن عاصم،ج:١،ص:٢١، رقم الحديث:١٤۔جامع العلوم والحكم،ج:٤١،ص:١۔شرح الأربعين النبوى،ج:١،ص:٣٦، رقم الحديث:١٤حديث حسن صحيح۔

''تم میں سے کوئی شخص بھی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس شریعت کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں''۔

لہٰذا ایمان کی تعریف فقہاء کرام نے متفقہ طور پر یوں کی ہے:

''تصدیق ما جآء به النبی ﷺ''

''ہر اس بات کی تصدیق کرنا جو نبی کریم ﷺ لائے''۔

اور قرآن کریم نے اس اصول کو یوں بیان کیا:

﴿ فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾[1]

''(اے محمد ﷺ) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے معاملات میں (فیصلہ کرانے کے لئے) آپ کو حکم تسلیم نہ کرلیں اور پھر آپ کے فیصلے سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں اور اُس کو مکمل طور پر تسلیم کر لیں۔''

عمل صالح سے مراد؟

اسی طرح ''عمل صالح'' کو بھی سمجھ لیتے ہیں۔ عموماً اس کا ترجمہ ''نیک اعمال'' سے کیا جاتا ہے جو کہ اپنی جگہ درست ہے لیکن عملِ صالح کا دراصل تعلق اس ''اصلاح'' سے ہے جو کہ ''فساد'' کے مقابلے میں کی جاتی ہے اور جس کو قرآن نے بھی بڑی شد و مد سے بیان کیا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

[1] سورۃالنسآء آیت: ۶۵۔

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾[1]

''کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عملِ صالح کرتے ہیں برابر کر دیں گے، زمین پر فساد مچانے والوں کے''۔

چنانچہ تخلیقِ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جتنی بھی کوشش اور سعی ابلیس لعین نے انسانیت کو اپنا ہمنوا اور گمراہ کرکے اللہ تعالیٰ اور اس کے دین مقابل لا کھڑا کرنے، اور اس کے نتیجے میں اس کے تحالف میں بندھے لوگوں کی طرف سے زمین پر بغاوت، قتل وغارت، ظلم وستم اور زمین پر دین اللہ کو پامال کرنے، اور مستقبل میں بھی خروج دجال اور خروج یاجوج ماجوج کی صورت میں جو ''فساد عظیم'' برپا ہوگا اس کو قرآن نے ''فتنہ'' یا ''فساد فی الارض'' سے تعبیر کیا اور اس کے مدمقابل فساد کو ختم کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیّن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء ورسل اور ان کے اعوان و انصار بشمول ظہور مہدی اور نزول مسیح علیہ السلام تک کی ہر کوشش، ہر سعی اور ہر اقدام کو شریعت میں ''عمل صالح'' شمار کیا گیا اور قرآن نے اس کو ''اصلاح'' سے تعبیر کیا۔

قوم ثمود کے سرداروں کی اللہ سے بغاوت کے بارے میں آیا کہ:

﴿وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴾[2]

''اور ان کے شہر میں نو سردار تھے جنہوں نے زمین پر فساد مچا رکھا تھا اور وہ اصلاح کرنے والے نہ تھے''۔

﴿الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ﴾

[1] صٓ:۲۸۔

[2] النمل:۴۸۔

”ان کے سرداروں نے زمین پر فساد مچار کھا تھا اور وہ اصلاح کرنے والے نہیں تھے“۔[1]

حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو ان کی بداعمالیوں پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا﴾[2]

”اور زمین میں “اصلاح“ کے بعد “فساد“ مت بچاؤ“۔

﴿اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ﴾[3]

”میرا ارادہ اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہے“۔

منافقین جو بظاہر کلمہ گو تھے مگر منع کرنے کے باوجود ان کی ساری ہمدردیاں یہود کے ساتھ تھی اور اس کو وہ اصلاح سے تعبیر کرتے تھے چنانچہ قرآن نے ایسے لوگوں کو ہی سب سے بڑا مفسد قرار دیا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمۡ لا تُفۡسِدُوا فِي الأَرۡضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُونَ ○أَلا إِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُونَ وَلٰكِنۡ لا يَشۡعُرُونَ ○﴾[4]

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے (یہود کے ساتھ دوستی کرکے) زمین پر فساد مت مچاؤ تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن سمجھتے نہیں“۔

---

[1] الشعرآء:۱۵۲۔

[2] الاعراف:۵۸۔

[3] هود:۸۸۔

[4] البقرة:۱۱،۱۲۔

جو کوئی زمین پر فساد مچانے والا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے عمل کی اصلاح نہیں کرتے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ﴾[1]

''بے شک اللہ فساد کرنے والوں کے عمل کی اصلاح نہیں کرتا''۔

﴿فَلَوۡلا كَانَ مِنَ الۡقُرُونِ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡفَسَادِ فِي الأَرۡضِ إِلا قَلِيلا مِمَّنۡ أَنۡجَيۡنَا مِنۡهُمۡ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتۡرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجۡرِمِينَ ○ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهۡلِكَ الۡقُرَى بِظُلۡمٍ وَأَهۡلُهَا مُصۡلِحُونَ ○﴾[2]

''پس کیوں نہ ہوئے تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایسے اہل خیر لوگ جو زمین پر فساد پھیلانے سے روکتے، سوائے ان قلیل لوگوں کے جنہیں ہم نے ان میں سے نجات دی تھی اور ظالم لوگ اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جس میں انہیں آسودگی دی گئی تھی (حالانکہ اس میں بربادی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ) وہ مجرم لوگ تھے۔ آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم کے سبب ہلاک کر دے جبکہ اس میں اصلاح کرنے والے لوگ موجود ہوں''۔

((بدأ الاسلام غريباً وسيعود غريباً كما بدأ فطوبى للغرباء قالوا يارسول الله ومن الغرباء قال الذين يصلحون ثم فساد الناس))[3]

'' اسلام کی ابتداء اجنبیت کی حالت میں ہوئی تھی اور ایک بار پھر اسلام اُسی اجنبیت کی حالت میں چلا جائے گا، سو مبارک باد ہے اجنبی ہو جانے والوں کے لئے۔ پوچھا کہ یارسول

[1] یونس:۸۱۔

[2] هود:۱۱۶،۱۱۷۔

[3] هود:۱۱۶،۱۱۷۔

اللہ ﷺ اجنبی کون ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ وہ لوگ جو لوگوں کے فساد میں مبتلا ہونے کے وقت ان کی ''اصلاح'' کریں گے''۔

''اصلاح''کا اصل منہج وطریقہ:

یہ بات سمجھنے کے بعد کہ شریعت میں ''اصلاح'' سے کیا مراد ہے، یہ چیز بھی واضح ہونی چاہیے کہ اس ''اصلاح'' کا منہج اور طریقہ کار کیا ہو گا؟ کیونکہ امت محمدی ﷺ کی موجودہ زبوں حالی سے نکالنے کے لئے ''اصلاح'' کے نام پر مختلف اصلاحی سلسلے، ادارے، جماعتیں اپنی اپنی سوچ و فکر، فلسفوں اور طریقوں کی بنیاد پر امت کی ''اصلاح'' کی کوشش میں لگے ہیں اور ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ اس کا ہی ''طریقۂ اصلاح'' صحیح اور درست ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ''اصلاح'' کا جو معیار دیا ہے وہ کیا ہے؟ اس کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

((ان الدین بدأ غریبا ویرجع غریبا فطوبی للغرباء الذین یصلحون ماأفسد الناس من بعدی من سنتی))[1]

''دین شروع میں اجنبی تھا اور عنقریب پھر پہلے کی طرح اجنبی ہو جائے گا۔ لہٰذا اُن لوگوں کے لئے بشارت ہے جن کو دین کی وجہ سے اجنبی سمجھا جائے اور یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد میری جس سنت کو لوگ بگاڑ دیں گے یہ اُس سنت کو ٹھیک کر دیں گے۔''

تو ''اصلاح'' دراصل نام ہے اس بات کا کہ جو فساد و بگاڑ کا جو رسول اللہ ﷺ کی سنت میں واقع ہو گیا ہو اس میں اصلاح کر دی جائے اور اس کو اصل حالت میں زندہ کر دیا جائے۔

[1] المعجم الکبیر، ج:۱۷، ص:۱۶، رقم الحدیث:۱۱۔ کنز العمال، ج:۱، ص:۲۳۸، رقم الحدیث:۱۱۹۴۔ سنن الترمذی: ج۹ص۲۱۹ رقم الحدیث:۲۵۵۴ وقال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن صحیح۔

((من احیا سنة من سنتی قد امیتت بعدی کان له من الاجر مثل اجور من عمل بهامن غیر ان ینقص من اجورهم شیئا))[1]

''جس نے میرے بعد میری سنت میں سے کسی سنت کو زندہ کیا جبکہ وہ مردہ ہوچکی تھی اس شخص کو اجر وثواب ملے گا ان تمام بندگان خدا کے اجر وثواب کے برابر جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں سے کچھ کمی کی جائے''۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سنت سے مراد صرف وضو، غسل یا نماز کی سنیتں مراد ہیں یا زیادہ سے زیادہ صرف کھانے پینے، سونے جاگنے اور اٹھنے بیٹھنے کے حوالے سے عاداتِ رسول ﷺ کو اپنانے کا نام ''سنت'' ہے۔

جان لیجئے سنت رسول ﷺ سے مراد'' زندگی کے ہر معاملے یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور عادات میں آپ ﷺ کے طریقے کو اختیار کرنا''۔ چناچہ امام فارس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''السنه وهی السیرة وسنة رسول الله ﷺ سیرته''[2]

''سنت کے معنی'' طریقہ'' کے ہیں اور سنت رسول ﷺ سے مراد آپ ﷺ کا طریقہ ہے''۔

اسی طرح سنت رسول ﷺ، دراصل ''سنت اللہ''کی عملی تفسیر ہے اور اس کے عملی قیام کا طریقہ بھی۔

((ان احسن الحدیث کتاب الله وأحسن الهدی هدی محمد ﷺ))

---

[1] سنن الترمذی ،ج:۹،ص:۲۸۸، رقم الحدیث:۲۸۰۱۔سنن ابن ماجة ،ج:۱،ص:۲۴۳، رقم الحدیث:۲۰۵۔

[2] معجم مقاییس اللغة:باب س۔ن۔ن۔

"سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے"[1]

اس بات کی عملی مثال کہ "سنت رسول ﷺ، دراصل "سنت اللہ" کے عملی قیام کا طریقہ ہے۔ رسول ﷺ کے اُس عمل سے واضح ہوتی ہے جو کہ انہوں نے یہود کی طرف سے تورات میں اللہ کے نازل کردہ زناء کی سزا کو مختلف حیلے اور بہانوں کے ذریعے عملی طور پر ساقط کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اس طریقے کو زندہ کرتے ہوئے زناء کی سزاء کو من و عن نافذ کیا اور یوں فرمایا:

((اللّٰهم انی أول من أحیا التابعین اذا أماتوه))[2]

"اے اللہ! میں سب سے پہلے تیرے اس حکم کو زندہ کرتا ہوں جبکہ ان (اہل کتاب) نے اس کو مردہ کر دیا تھا"۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعرات کے دن کھڑے ہو کر فرماتے:

"اصل چیزیں دو ہیں، ایک زندگی گزارنے کا طریقہ اور دوسرا کلام، سب سے افضل اور سب سے زیادہ سچا کلام اللہ تعالیٰ کا ہے اور سب سے عمدہ طریقہ حضرت محمد ﷺ کا ہے۔"[3]

چنانچہ اس "طریقۂ نبوی ﷺ" میں وہ عقائد و احکامات آجائیں گے جو کہ سنت رسول ﷺ سے نصوص کے درجہ پر پہنچتے ہوں اور جن پر یقین و عمل "فرض" کے درجے کو پہنچتا ہو مثلاً عقائد میں نزول عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام، ظہورِ مہدی اور خروجِ دجال وغیرہ اور احکامات میں شادی شدہ زانی کے لئے رجم

---

[1] صحیح البخاری: ج٦ص٢٦٥٥رقم الحدیث: ٦٨٤٩۔

[2] صحیح مسلم: ج ٣ص١٣٢٧، رقم الحدیث ١٧٠٠۔ سنن البیهقی الکبری: ج ٨ص ٢٤٦۔

[3] حیاۃ الصحابہ جلد سوم از یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

کی سزا، ''خلافت'' کے استحکام اور قیام کے لئے ''جہاد'' کا تا قیام قیامت تک جاری رہنا وغیرہ جن کے انکار سے انسان کا اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح سنت رسول ﷺ سے ثابت عبادات میں ، فرائض میں، معاملات میں اور احکامات میں وہ اوامر و نواہی جن پر عمل کرنا بھی ایک مسلمان کے لئے لازم قرار پائے اور جن کے کرنے یا نہ کرنے پر بشارتیں یا وعیدیں وارد ہوئیں ہوں۔ اس کے علاوہ سنت رسول ﷺ سے ثابت وہ ''متواتر عادات'' جن کو ''سنت زائدہ'' بھی کہتے ہیں، اختیار کرنا قابلِ تحسین، پسندیدہ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت و عشق کے اظہار کا ذریعہ ہو، اور جن کے اختیار کرنے یا نہ کرنے میں کوئی وعید یا ملامت نہ ہو مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر بھی اختیاری لزوم اور مداومت دکھائی مثلاً لہسن اور پیاز کا استعمال نہ کرنا، ثرید اور کدو پسند کرنا، زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانا وغیرہ وغیرہ چونکہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا کسی بھی معاملے میں کوئی بھی عمل چاہے وہ لزوم کا درجہ رکھتا ہو یا نہیں، لیکن وہ عمل بھی اس ''اصلاح'' کے لئے سب سے بڑا معاون ہے جس کے لئے آپ ﷺ کو بھیجا گیا اور اس ''فسادِ عظیم'' کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے جس کو شیطان اپنے تحالف میں بندھے لوگوں کے ذریعے اس پوری کائنات میں پھیلانا چاہتا ہے۔

رسول ﷺ نے ''فساد'' کے زمانے میں ''اصلاح'' کرنے کے لئے عقائد،، عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے ہر پہلو کے حوالے سے اپنی ایک سنت جاری فرمائی۔ جس میں بشمول کھانے پینے کی سنت ، نشست و برخاست کی سنت، سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے کی سنت کے ساتھ ساتھ ظالموں کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی سنت، اللہ کے علاوہ معاشرے میں جو اور ''الٰہ'' بنے ہوئے ہیں ان سے دشمنی اور برأت کی سنت ، حدود اللہ کے ٹوٹنے پر غضب ناک ہونے کی سنت، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور خلافت کے قیام کی سنت۔ چنانچہ ان تمام معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کا احیاء ہی میں دراصل اس ''اصلاح'' کا قیام ممکن ہے جس پر ہماری نجات کا دارومدار ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اجمع المسلمون علی أن من استبان له سنة عن رسول الله ﷺ لم يحل له أن يدعها لقول أحد''

"اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جس شخص پر رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت واضح ہو جائے تو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی کے بھی کہنے پر اسے ترک کر دے"۔

سب سے بڑی مردہ سنت:

ہم سمجھ چکے کہ رسول ﷺ کی سنت یعنی آپ ﷺ کا طریقہ دراصل "سنت اللہ" یعنی اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کی عملی شرح و تفسیر ہے۔ تو آج پھر سب سے بڑی سنت رسول ﷺ کون سی ہے جو کہ بالکل متروک اور مردہ ہو چکی ہے ؟ وہ ہے اللہ کی نازل کردہ "شریعت کے نفاذ" کی سنت اور جب شریعت کا نفاذ نہ ہو تو قرآن اس حالت کو "فساد" سے تعبیر کرتا ہے۔ قوم عاد، قوم ثمود اور آل فرعون نے اللہ سے بغاوت کی اور اللہ کی شریعت کے مقابلے میں اپنا قانون نافذ کیا۔ قرآن نے اس کو بھی "فساد فی الارض" سے تعبیر کیا۔

﴿ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ○ ﴾[1]

"پس ان سب نے زمین پر فساد مچا رکھا تھا"۔

اسی طرح جو شخص یا گروہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ یا اس کی شریعت کی مخالفت پر یا اس سے جنگ پر آمادہ ہو قرآن نے اس کو بھی "فساد" قرار دیا:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا﴾[2]

"بے شک جو جنگ کریں اللہ اور اس کے رسول سے اور زمین پر فساد کرتے پھریں ان کی جزاء یہ ہے کہ............"۔

---

[1] الفجر:٦ تا ١٢۔

[2] المائدۃ:٣٣۔

لہٰذا شریعت کے نفاذ یا بالفاظ دیگر ''خلافت کے قیام'' جس کو آپ ﷺ نے سب سے بڑی ذمہ داری سمجھتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''اے اللہ! میں سب سے پہلے تیرے اس حکم کو زندہ کرتا ہوں جبکہ ان (اہل کتاب) نے اس کو مردہ کر دیا تھا'' ۔لہٰذا آج ''فساد'' کے زمانے میں جبکہ یہ سنت متروک اور مردہ ہو چکی ہے تو امت کی نجات جس ''عملِ صالح'' میں ہے وہ ہے شریعت کے نفاذ یعنی خلافت کا قیام کرنا۔ چناچہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

''والحکم بماانزل اللہ فیه صلاح الدنیا والاخرۃ والحکم بغیر ماانزل اللہ فیه فساد الدنیا والآخرۃ''[1]

''اللہ کے نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کرنے میں دنیا و آخرت کی ''اصلاح'' ہے اور اللہ کے نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے میں دنیا و آخرت کا ''فساد'' ہے''۔

((المتمسك بسنتی ثم فساد امتی له اجر شهید))[2]

''جس نے میری امت میں فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما اس کو ایک شہید کے برابر ثواب ملے گا''۔

((من تمسك بسنتی ثم فساد امتی فله اجر مائة شهید))[3]

---

[1] مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة ،ج:٦ص:٢٦١۔

[2] المعجم الاوسط:ج٥ص٣١٥رقم الحدیث٥٤١٤۔المعجم الکبیر للطبرانی، ج:٢٠،ص:٥٠،رقم الحدیث:١٣٢٠۔مجمع الزوائد:ج١ص١٧٢وفیه محمد بن صالح العدوی ولم أر من ترجمه وبقیة رجاله ثقات۔

[3] کتاب الزهدالکبیر:ج٢ص١١٨رقم الحدیث:٢٠٧۔الترغیب والترهیب:ج١ص٤١رقم الحدیث:٦٥۔مسند الفردوس:ج٤ص١٩٨رقم الحدیث:٦٦٠٨،عن ابن عباس۔

''جس کسی نے میری امت میں فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما اس کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا''۔

صاحب ردالمختار فرماتے ہیں:

''وان من احیاء السنة عند فساد الامة من افضل الجہاد''[1]

''امت میں فساد کے وقت سنت کو زندہ کرنا افضل ترین جہاد ہے''۔

اب یہ سوال کہ شریعت کے نفاذ یا خلافت کے قیام جو کہ امت کی ''اصلاح'' کا سب سے بڑا عمل ہے اور یہ کہ از روئے قرآن ''نظام عبدیت'' کا قیام ہوتا ہی اس وقت ہے کہ جب خلافت کا قیام ہو چکا ہو تو اس کے لئے ''طاقت'' کے استعمال کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ اس کو سمجھتے ہیں۔

کیا طاقت کا استعمال یا اسلحہ کے زور پر شریعت کا نفاذ درست نہیں؟

تبلیغی جماعت کے اکابرین شریعت کے نفاذ یا خلافت کے قیام کے لئے ''طاقت'' کے استعمال یا بالفاظ دیگر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے قائل نہیں اور وہ اس کو وہ نبیوں کے طریقے کے خلاف سمجھتے ہیں ۔ تبلیغی جماعت کے نامور مبلغ مولانا طارق جمیل صاحب کہتے ہیں:

''اس لئے اللہ تعالیٰ انبیاء کو طاقت نہیں دیتا تھا، ''تلوار'' نہیں دیتا تھا، ''دعوت'' دیتا تھا کہ جاؤ دعوت دو، دھکے کھاؤ، ذہن بناؤ۔ اور موسیٰ علیہ السلام تک کسی (نبی) نے تلوار اٹھائی نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام تک کتنے نبی آئے؟ لاکھ سے اوپر تو گزر گئے ہوں گے چونکہ موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے تو دو ہزار سال میں کوئی (تقریباً) چوبیس ہزار آ گئے ہوں گے ، لاکھ پہلے ہی گزر گئے ہوں گے لیکن کسی ایک نبی نے تلوار نہیں اٹھائی۔ یوشع علیہ السلام پہلے

[1] رد المختار، ج:٦، ص٣١٤۔

نبی ہیں جنہوں نے تلوار اٹھائی۔تو بھائیوں بہنوں!''تبلیغ''میں بھی یہ ذہن بنایا جارہاہے کہ اس ذہن پر(کہ اسلام دعوت سے پھیلا ہے تلوار سے نہیں)اسلام آسکتا ہے،ویسے نہیں آسکتا''۔[1]

اپریل۲۰۰۹ءکے اسلام آباد کے تین روزہ تبلیغ اجتماع کے موقع پر تبلیغی جماعت کے موجودہ امیر حاجی عبد الوہاب صاحب فرماتے ہیں:

''اسلحے کے زور پر شریعت نافذ نہیں کی جاسکتی۔اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ انبیاء کے تحفظ اور ان کے مذہب کو نافذ کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیجتا۔حضور ﷺ نے کبھی طاقت استعمال نہیں کی بلکہ ''پرامن طریقوں''سے اللہ کے نام کو پھیلایا''۔[2]

تبلیغی جماعت کے نامور مقرر مولانا طارق جمیل صاحب طالبان کی طرف سے شریعت کے بزورِ طاقت نفاذ پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ان سے کیا خطاء ہوئی؟ساری دنیا سے دشمنی مول لی اور دوسرا کیا کیا کہ ''شریعت''کو عوام پر زبردستی مسلط کردیا .تو حکمت اور بصیرت کے بغیر اٹھا ہوا قدم خود بخود واپس ہوجاتا ہے۔سارے عالم سے لڑائی مول لے لی۔سارے عالم کو دشمن بنالیا،عوام کو بھی دشمن بنالیا،زبردستی ان(پر شرعی نظام)کو ٹھونس دیا(مثلاً)داڑھی نہیں منڈانا،کتنی لوگ بدبخت تھے کہ جنہوں نے افغانستان سے ہجرت کی اور داڑھی منڈاکر اس پر پیشاب کیا۔مسلمان ہی ہیں لیکن اس عمل سے کافر ہوگئے اگر توبہ نہ کی تو۔تو اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے اسباب کا،اس لحاظ سے تو وہ ختم ہوجاتے کہ عوام کو ساتھ لئے بغیر،ذہن سازی کئے بغیر کوئی چیز نہیں چل سکتی۔میں تفصیل سے اس لئے بات کررہا ہوں کہ صرف اتنی بات نہیں تھی

[1] ''دعوت کی طاقت''بمقام چارسدہ صوبہ سرحد۔۶۲اگست۲۰۰۶ء۔

[2] روزنامہ امت کراچی وروزنامہ آواز لاہور،۲۹اپریل،۲۰۰۹ء۔''کلمۃ الھادی الی سواء السبیل''ص:۱۷۱۔

کہ تبلیغ والے ''آیاتِ جہاد'' کو تبلیغ پر فٹ کرتے ہیں۔ تمہارے ذہن میں تبلیغ کے بارے میں وہ عظمت نہیں ہے، وہ ہیبت نہیں ہے جو کہ ہونی چاہیے تھی''۔

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

''اگر ہم سچے مسلمان ہوتے تو اللہ کی قسم! آج گولڈن پیریڈ ہے انسانوں کو مسلمان بنانے کا ،بہترین وقت ہے لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کا۔ لیکن ہمارے تو اپنے ہاتھ میں ''کلہاڑے'' ہیں، اور اسی (انسانیت) پر ہمارے وار ہیں اور اسی کو تباہ وبرباد کرنے کی ہماری اپنی اسکیمیں ہیں''۔[1]

یہاں تک کہ بعض تبلیغی اراکین یہ بات بلا کسی تردد کے کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

''جدھر اسلام ''تلوار'' کے زور سے پھیلا وہاں سے اسلام مٹ گیا جیسے اندلس وغیرہ اور جدھر اسلام ''دعوت'' سے پھیلا وہاں اسلام باقی ہے جیسے انڈونیشیا وغیرہ''

اکابر تبلیغی جماعت اور غلام احمد قادیانی کے نظریات کی مماثلت:

قبل اس کے کہ تبلیغی اکابرین کے ان افکار و نظریات کو کا شرعی جائزہ لیں، ایک اور تلخ حقیقت کا ذکر یہاں کرتے چلیں جس کو نقل کرتے ہوئے آدمی کانپ اٹھتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کے اور ''قادیانیوں'' کے بانی غلام احمد قادیانی لعنہ اللّٰہ کے شریعت کے نفاذ کے سلسلے ''جہاد فی سبیل اللہ'' یا''طاقت'' کے استعمال سے متعلق نظریات اور افکار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ غلام احمد قادیانی لعنہ اللّٰہ اپنی کتاب میں کہتا ہے:

---

[1] ''امت مسلمہ کا زوال اور اس کے اسباب'' بمقام آواری ٹاور ہوٹل، کراچی۔ یکم اگست، ۲۰۰۹ء۔

"جب سے دین کے لئے لڑنا حرام کیا گیا ہے، اب اس کے بعد جو دین کے لئے "تلوار" اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھ کر کافروں کو قتل کرتا ہے، وہ خدا کا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے"[1]

ایک اور جگہ اپنے اشعار میں کہتا ہے:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستوں خیال

دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور "قتال"

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد

منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد[2]

کتاب کلمۃ الھادی الی سواء السبیل کے مؤلف کے بارے میں تحسینی کلمات لکھتے ہوئے مولانا سید عبد المالک شاہ صاحب اس تلخ حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

"(مؤلف) نے کسی پرخاش اور عناد سے ہٹ کر (تبلیغی جماعت کی) گرفت کی ہے اور کتمان حق سے بچتے ہوئے (اس) جماعت کے ایک مخصوص گروہ کی مداہنت بے نقاب فرمائی ہے ۔ جہاد کے سلسلے میں وہ کام جو انگریز، (غلام احمد قادیانی کو) نبی بنا کر بھی نہ کر سکے، جہاد کی اہمیت کو بڑی گہرائی اور ملمع سازی کے ساتھ ختم کرنے اور کمزوری کا سہارا لے کر اختیار کرنے والی روش کو بے نقاب کیا ہے"۔[3]

---

1 منارۃ المسیح ص ب ت۔

2 ضمیمہ تحفہ گولڑیہ صفحہ ۳۹۔

3 کلمۃ الھادی الی سواء السبیل، ص: ۴۴۔

کیا موسیٰ علیہ السلام تک کسی نبی نے تلوار نہیں اٹھائی؟

ہم نے اوپر مولانا طارق جمیل صاحب کا یہ کلام نقل کیا کہ:

''موسیٰ علیہ السلام تک کسی (نبی) نے تلوار اٹھائی نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام تک کتنے نبی آئے؟............لاکھ سے اوپر تو گزر گئے ہوں گے چونکہ موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے تو دو ہزار سال میں کوئی (تقریباً) چوبیس ہزار آگئے ہوں گے، لاکھ پہلے ہی گزر گئے ہوں گے لیکن کسی ایک نبی نے تلوار نہیں اٹھائی۔ یوشع علیہ السلام پہلے نبی ہیں جنہوں نے تلوار اٹھائی''۔

اس سے پہلے کہ ہم مولانا صاحب کی اس تاریخی تحقیق کا جائزہ لیں، ہم دیوبند مکتبہ فکر کے عالم دین مولانا مفتی ظفر اقبال صاحب، مدیر و مدرس مدرسہ مفتاح العلوم بھکر کا مولانا طارق جمیل صاحب کی تاریخ دانی کے حوالے سے ایک کلام نقل کر دیتے ہیں جو کہ انہوں نے کتاب ''کلمة الهادی الی سواء السبیل ''کی تقریظ میں کہے:

''اب کچھ عرصے سے ان کو تاریخ و تحقیق کی چوٹیاں سر کرنے کا شوق لگا ہے اور یہ شوق بھی کوئی ناجائز نہیں تھا اگر یہاں بھی وعظ و تبلیغ والی روایت برقرار رکھی جاتی، لیکن بد قسمتی سے یہاں وہ اپنے آپ کو اچھے واعظ اور اچھے مبلغ کی طرح ''اچھا مؤرخ'' یا ''اچھا محقق'' ثابت نہ کر سکے بلکہ ان سے شدید نوعیت کی سنگین تاریخی و تحقیقی غلطیاں واقع ہوئیں''۔[1]

چنانچہ اب ہم مولانا طارق جمیل صاحب نے جس تاریخی چیز کا انکشاف کیا ہے اس کو بھی جان لیتے ہیں آیا یہ بات حقیقت پر بھی مبنی ہے یا صرف یہ گھڑا ہوا افسانہ ہے۔ کیا واقعی موسیٰ علیہ السلام تک کسی نبی نے تلوار نہیں اٹھائی؟ اس حوالے سے صرف ایک روایت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے حوالے سے پیش کی جاتی ہے کہ کس طرح ان دونوں نے مل کر اپنے وقت کے جابروں کے خلاف ''جہاد

---

[1] کلمة الهادی الی سواء السبیل، ص: ۴۵۔

"کیا اور اللہ کے دشمنوں کو کثیر تعداد میں اپنے ہاتھوں سے قتل کیا اور اس کے بعد باقاعدہ اس کے کام کے لئے لشکر ترتیب دیئے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ "البدایہ والنھایہ" میں نقل کرتے ہیں:

''ثم أن طائفة من الجبارين تسلطوا على لوط عليه السلام فأسروه وأخذوا أمواله واستاقوا أنعامه، فلما بلغ أمواله وقتل من اعداء الله ورسوله خلقاً كثيراً وهزمهم وساق آثارهم حتى وصل الى شرق دمشق وعسكر بظاهرها عند برزة واظن مقام ابراهيم انما سمى لانه كان موقف جيش الخليل۔ والله اعلم''[1]

"تیمن کے ظالم و جابر لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر حد سے زیادہ ظلم کیا، ان کا تمام مال لوٹ لیا اور انہیں قید کر لیا۔ البتہ جب حضرت لوط علیہ السلام ان کی قید سے نجات حاصل کرنے میں اور کچھ مال واپس لینے میں کامیاب ہوگئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں کو کثیر تعداد میں قتل کیا اور ان کو شکست دی اور پھر تیمن سے مشرقی دمشق کی طرف چلے گئے اور وہاں انہوں نے باقاعدہ فوجی لشکر بھی ترتیب دیئے۔ اس تمام عرصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے ہمراہ تھے اس لئے اس شرقی حصے کو "جیش ابراہیم" کا مسکن کہا جاتا ہے اور اب تک وہ جگہ اسی نام سے مشہور چلی آرہی ہے، واللہ اعلم"۔

چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے نبی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تیر اندازی کو بطور نمونہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

((ارموا بنی اسماعیل فان اباکم رامیا))[2]

"اے بنی اسماعیل! خوب تیر چلاؤ، تمہارے باپ اسماعیل علیہ السلام بھی تیر انداز تھے"۔

[1] البداية والنهاية، ج:ا ص:١٧٦۔

[2] صحيح البخاری، ج:١٠، ص:٣٠، رقم الحديث: ٢٦٨٤۔

غرضیکہ دین کی اقامت و حفاظت کے لئے مجموعی طور پر ہر نبی نے ''جہاد'' کیا۔ جس کی شہادت قرآن نے یوں دی:

﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ﴾[1]

''اس سے پہلے بھی کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں، جن کے ساتھ مل کر اللہ والوں نے قتال کیا''

اسی بات کو سورۃ الحج کی آیت ۴۰ کی تفسیر میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا:

''أی لولا ما شرعه الله تعالی للانبیاء والمومنین من قتال الاعداء، لاستولی اهل الشرك وعطلوا مابینته أرباب الدیانات من مواضع العبادات، ولكنه بأن أوجب القتال لیتفرغ اهل الدین للعبادة۔ فالجهادأمر متقدم فی الامم، وبه صلحت الشرائع واجمعت المتعبدات.........أی لولا القتال والجهاد لتغلب علی الحق فی كل أمة۔ فمن استبشع من النصاری والصابئین الجهاد فهومناقض لمذهبه، اذ لولا القتال لما بقی الدین الذی یذب عنه.........أی لولاهذا الدفع لهدم فی زمن موسی الكنائس، وفی زمن عیسی الصوامع والبیع، وفی زمن محمد علیه السلام المساجد''[2]

''اگر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور (ہر زمانے کے) اہل ایمان کو دشمنان اسلام سے ''قتال'' کا حکم نہ دیتے تو اہل شرک غالب آکر اہل حق کی عبادت گاہوں کو ویران کر دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو دفع کیا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے کفار سے لڑنے کو فرض قرار دیا تاکہ

[1] آل عمران: ۱۴۶۔

[2] تفسیر القرطبی، ج: ۱۲ص: ۷۰۔

اہل حق اپنی عبادت میں امن سے رہیں۔ پس ''جہاد'' ہر آسمانی مذہب میں برابر چلا آرہا ہے اور اسی کے ذریعہ سے شریعتوں کی ''اصلاح'' ہوتی ہے اور عبادت گاہیں برقرار رہتی ہیں.........اگر ہر زمانے میں جہاد و قتال نہ ہوتا تو کافر اہل حق پر غالب آجاتے۔ پس یہود ونصاریٰ میں سے جس نے بھی جہاد کو ناپسند کیا تو اس نے اپنے مذہب کے منافی کام کیا کیونکہ اگر کفار کے ساتھ جہاد و قتال نہ ہوتا تو کوئی قابل قدر آسمانی مذہب باقی نہ رہتا. پس اگر اللہ تعالیٰ کی طرف یہ (جہاد) کا دفاعی نظام نہ ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں عبادت خانے گرادیئے جاتے اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گرجے اور راہبوں کی کوٹھریاں گرادی جاتی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد ڈھادی جاتی''۔

چناچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ البقرۃ کی آیت کی تفسیر میں قصہ طالوت و جالوت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوگیا ہے کہ ''حکم جہاد'' ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور اس میں اللہ کی بڑی رحمت اور احسان ہے۔ نادان (ہیں وہ جو یہ) کہتے ہیں کہ لڑائی نبیوں کا کام نہیں''۔[1]

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے حجت:

اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ کسی نبی نے بھی تلوار نہیں اٹھائی یعنی طاقت کا استعمال نہیں کیا، گو کہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں، پھر بھی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ دلیل حجت نہیں بن سکتی کہ کسی نبی نے شریعت کے نفاذ کے لئے تلوار نہیں اٹھائی کیونکہ ہم شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بعثت ہی ''تلوار'' کے ساتھ

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۱۶۴۔

ہوئی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس کی وضاحت کر دی کہ مجھے قیامت تک کے لئے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا:

((بعثت بين يدى الساعة بالسيف، حتىٰ يعبدالله وحدهٗ لا شريك لهٗ وجعل رزقى فى تحت ظل رمحى، وجعل الذّل والصغار على من خالف أمرى، ومن تشبه بقوم فهو منهم))[1]

"مجھے قیامت تک کے لئے "تلوار" کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کی جانے لگے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھ دیا گیا ہے اور جس نے میرے (اس) "امر" کی مخالفت کی، اُس کے لئے ذلت اور پستی رکھ دی گئی اور جس نے (میرے اس طریقے کو چھوڑ کر) کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو (اس کا شمار) اُنہی میں ہو گا۔"

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لااله الا الله وأنّ محمداًرسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة فاذا فعلوا ذلك عصموا منى دماء هم وأموالهم الا بحقّها وحسابهم على الله))[2]

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی گواہی نہ دیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے تو ان کا مال اور جان محفوظ ہے سوائے اس حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔"

---

[1] مسند احمد، ج:۱۰، ص:۴۰۵، رقم الحدیث:۴۸۶۹۔ کنز العمال، ج:۴، ص:۲۸۶، رقم الحدیث:۱۰۵۲۸۔ مصنف ابن ابی شیبۃ، ج:۴، ص:۵۷۵۔ شعب الایمان، ج:۳، ص:۲۵۱، رقم الحدیث:۱۲۰۲۔

[2] صحیح البخاری، ج:۱، ص:۱۷، رقم الحدیث:۲۵۔

ہمارا نبی گھمسان کی جنگوں والا نبی:

نبی کریم ﷺ نے اپنے بارے میں واضح طور پر یہ فرمایا کہ میں نبی الملاحم یعنی "گھمسان کی جنگوں" والا نبی ہوں۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اپنا ناموں میں سے یہ نام بھی بتائے:

((أنا.......... نبی الملحمة .... و نبی الرحمة))[1]

"میں گھمسان کی جنگوں والا نبی.......... اور رحمتوں والا نبی ہوں"۔

((أنا رسول الرحمة..........أنا رسول الملحمة..........بعثت بالجهاد ولم أبعث بالزراع))[2]

"میں رسول رحمت بھی ہوں اور میں گھمسان کی جنگوں والا نبی بھی ہوں..........مجھے بھیجا گیا ہے جہاد کے ساتھ اور مجھے کھیتی باڑی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا"۔

((ان الله بعثنی ملحمة ومرحمة، ولم يبعثنی تاجراً ولا زراعاً))[3]

"بے شک اللہ نے مجھے بھیجا ہے گھمسان کی جنگوں والا اور رحمت والا بنا کر اور مجھے نہیں بھیجا تاجر بنا کر اور نہ ہی کھیتی باڑی کرنے والا بنا کر"۔

---

[1] مسند احمد، ج:۴۰، ص:۲۱، رقم الحدیث: ۱۸۷۰۴۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۲۰، ص:۱۶۸، رقم الحدیث: ۱۵۷۳۔ مسند ابی یعلی، ج:۱۵، ص:۴۵، رقم الحدیث: ۷۰۸۵۔ صحیح ابن حبان، ج:۲۶، ص:۱۶۶، رقم الحدیث: ۶۴۲۰۔

[2] کنز العمال، ج:۱۱، ص:۴۶۲، رقم الحدیث: ۳۲۱۶۷۔

[3] کنز العمال، ج:۴، ص:۲۸۲، رقم الحدیث: ۱۰۵۰۱/۱۰۵۰۰۔

سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی آپ کی یہی صفات منقول ہوئی تھیں۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے تورات میں مذکور الفاظ کو اپنی کتاب یوں نقل کیا ہے:

''وصفتہ فی التوراۃ: نبی الملحمۃ عیناہ حمراوان من شدۃ القتال''[1]

''تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت مذکور ہے کہ وہ گھمسان کی جنگوں والا نبی ہو گا (اور) شدتِ جنگ کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں سرخ ہوں گی''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر کچھ بھی مال نہیں تھا کہ جو وراثت میں تقسیم ہوتا البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نو عدد تلواریں لٹک رہی تھیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رومیوں کے خلاف لشکر کشی کے لئے ''جیش اسامہ'' بھیجنے کا فیصلہ کیا تو لشکر کی روانگی کا وقت جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض الوفات شروع ہو چکا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم علیل تھے اس کے باوجود آپ نے اپنے دست مبارک سے جنگ کا نشان بنا کر ان کو دیا اور یہ نصیحت کی جو کہ آج امت مسلمہ کے لئے وصیت کا درجہ رکھتی ہے:

((اغز بسم اللّٰہ وفی سبیل اللّٰہ فقاتل من کفر باللّٰہ))

''بسم اللہ کر کے اللہ کے راستے میں قتال کے لئے نکلو اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں ان سے لڑتے رہو''۔

تلواریں جنت کی کنجیاں:

جس طرح نماز کو جنت کی کنجی قرار دیا گیا اسی طرح اللہ کی راہ چلنے والی ''تلواروں'' کو بھی جنت کی کنجیاں قرار دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] شرح السیر کبیر، ج:۱، ص:۱۹۔

((السیوف مفاتیح الجنۃ))[1]

"(جہاد میں چلنے والی) تلواریں جنت کی کنجیاں ہیں"۔

یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب تمام جن وانس اپنے حساب وکتاب کے لئے حشر کے میدان میں کھڑے ہوں گے اور اپنی اپنی باری آنے کا انتظار کر رہے ہوں گے تو وہ لوگ جو تلواروں کے سائے تلے اس دنیا سے رخصت ہوئے وہ اس وقت عرش کے گرد تلواریں لٹکائے جنت میں گھوم پھر رہے ہوں گے۔ امام ابن کثیر سورۃ الزمر کی آیت ۶۸ کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہوں گے جن کو حشر کے دن کی گھبراہٹ سے محفوظ کر دیا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا:

"(جب صور پھونکا جائے گا تو) یہ خوش قسمت شہداء ہوں گے جو اپنی تلواریں لٹکا کر عرش کے گرد چہل قدمی کر رہے ہوں گے۔ فرشتے ان کو یاقوت کے اونٹوں پر محشر کی جانب لے کر چلیں گے جن کی زین ریشم سے نرم ہو گی اور ان کا ایک قدم آدمی کی منتہائے نظر پر ہو گا ،وہ جنت کی سیر کریں گے اور کچھ دیر تفریح کے بعد وہ کہیں گے کہ ہمیں ہمارے رب کے پاس لے چلو تاکہ ہم دیکھیں گے کہ اللہ اپنی مخلوق کے درمیان کس طرح فیصلے کر رہے اور اللہ رب العزت ان کو دیکھ کر مسکرائیں گے اور جب اللہ کسی بندے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں تو اس بندے سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جاتا"۔[2]

جب ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم، ج:۱۴، ص:۱۴۹، رقم الحديث:۶۱۳۴۔ كنز العمال، ج:۴، ص:۲۹۸، رقم الحديث:۱۰۵۸۰۔

[2] تفسير ابن كثير، ج:۷، ص:۱۱۷۔

((ان السيف محاء للخطايا))[1]

"بے شک تلوار گناہوں کو مٹا دیتی ہے"۔

نبی کریم ﷺ تلوار اب اپنی امت کے ہاتھوں میں دے گئے:

جس تلوار کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تھی وہی تلوار اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کو دے کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أفشوا السلام وأطعموا الطعام واضربوا الهام تورثوا الجنان))[2]

"سلام کو عام کرو، غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور جہاد میں کافروں کی کھوپڑیاں اڑاؤ تو اس طرح تم جنت کے وارث بنو گے"۔

((عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول:ألا أحدثكم بما يدخلكم الجنة؟قالوا بلى،قال ضرب السيف،وطعام الضيف،واهتمام لمواقيت الصلاة))[3]

"حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمہیں جنت میں داخل کر دے"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا

---

[1] مسند احمد، ج:۳۶،ص:۵۵، رقم الحدیث:۱۶۹۹۸۔

[2] کنز العمال،ج:۹،ص:۱۱۵، رقم الحدیث:۲۵۲۵۱۔سنن الترمذی،ج:۷،ص:۴۹، رقم الحدیث:۱۷۷۷هذا حديث حسن صحيح غريب۔

[3] اخرج ابن عساكر باسناده بحواله مشارع الاشواق الى مصارع العشاق۔

کہ ضرور ہمیں بتادیجئے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا"تلوار سے (کافروں پر)مارنا،مہمان کو کھانا کھلانا،فرض نمازوں کے اوقات کا اہتمام کرنا"۔

دین کی اقامت کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ:

اس حقیقت کو بھی قرآن وحدیث میں بالکل واضح کر دیا گیا کہ شریعت کے نفاذ کے لئے جو"تلوار"نبی کریم ﷺ کو عطا کی گئی اب وہ قیامت تک دین کے قیام اور اس کی حفاظت کے لئے چلتی رہے گی۔بالفاظ دیگر"جہاد"تاقیام قیامت جاری رہے گا۔

((بعثت بین یدی الساعة بالسیف))[1]

"مجھے قیامت تک کے لئے"تلوار"کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے"۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے دین کی اقامت وحفاظت کا قیامت تک سب سے بڑا ذریعہ"جہاد فی سبیل اللہ"ہی کو قرار دیا گیا:

((لن یبرح هذا الدین قائماً یقاتل علیه عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة))[2]

"یہ دین قائم رہے گا کیونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے (قیام کے) لئے قتال کرتی رہے گی قیامت واقع ہونے تک"۔

---

[1] مسنداحمد،ج:۱۰،ص:۴۰۵،رقم الحدیث:۴۸۶۹۔کنزالعمال،ج:۴،ص:۲۸۶،رقم الحدیث:۱۰۵۲۸۔مصنف ابن ابی شیبة،ج:۴،ص:۵۷۵۔شعب الایمان،ج:۳،ص:۲۵۱،رقم الحدیث:۱۲۰۲۔

[2] صحیح مسلم،ج:۱۰،ص:۳۸،رقم الحدیث:۳۵۴۶۔کنزالعمال،ج:۱۲،ص:۱۶۴،رقم الحدیث:۳۴۴۹۵۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے ہاتھ میں قرآن اور تلوار کو لے کر یہ اصول واضح کر دیا:

((عن عمرو بن دینار قال رأیت جابر بن عبد الله رضی الله عنه وبیده السیف والمصحف وهو یقول: امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم أن نضرب بهذا من خالف مافی هذا))[1]

"عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اس حال میں کہ ان کے ہاتھ میں "تلوار" اور قرآن تھا اور انہوں نے کہا: "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اس تلوار سے اُس کو ماریں جو اس قرآن کے خلاف چلے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''والله لما یزع الله بالسلطان اعظم مما یزع بالقرآن''[2]

"اللہ کی قسم! بعض اوقات اللہ تعالیٰ "طاقت" سے وہ کام لیتا ہے جو کہ بڑھ کر ہوتے ہیں بنسبت اس کے جو وہ قرآن سے لیتا ہے"۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قریش مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

خلوا بنی الکفار عن سبیله

قد انزل الرحمٰن فی تنزیله

بان خیر القتل فی سبیله

نحن قتلنا لکم علی تاویله

کما قتلنا کم علی تنزیله

---

[1] کنز العمال، ج:۱، ص:۳۸۴، رقم الحدیث: ۱۶۶۴۔

[2] فتح القدیر، ج:۴، ص:۳۵۰۔ الدر المنثور، ج:۶، ص:۳۱۱۔ کنز العمال، ج:۵، ص:۷۵۱، رقم: ۱۴۲۸۴۔

''اے کافروں کی اولاد! رسول اللہ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو، بے شک مہربان اللہ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ: '' بہترین قتل وہ ہے جو اس کی راہ میں ہو''۔ ہم تم کو قتل کریں گے اس قرآن کے احکامات منوانے پر بھی، جیسا کہ ہم نے تم کو قتل کیا ہے اس کے نزول کے منوانے پر''۔[1]

اسی لئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فمن عدل عن الکتاب قوم بالحدید؛ ولهذا کان قوام الدین بالمصحف والسیف۔ وقد روي عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال:((أمرنا رسول الله ﷺ أن نضرب بهذا))یعنی السیف من عدل عن هذا یعنی المصحف''[2]

''پس جو شخص کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے، اُسے لوہے (یعنی تلوار) سے سیدھا کیا جائے، اس لئے کہ دین کا قیام، دین کی مضبوطی اور پائیداری کتاب اللہ اور شمشیر سے ہوتی ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے: ((اَنْ نَضْرِبَ بِهٰذَا)) ''یعنی تلوار سے اُسے ماریں جو قرآن سے منہ موڑے''۔

''دین حق کے لئے آسمانی کتاب کا ہونا ضروری ہے جو ہدایت کا روشن مینار ہو اور اس کتاب کی مدد کے لئے ''تلوار'' مددگار ہو، اس کتاب اللہ میں اوامر و نواہی یعنی کرنے اور نہ کرنے کے احکامات ہوں گے اور ''تلوار'' برابر اس کی مدد اور تائید کرتی رہے گی''[1]

---

[1] رواہ الطبرانی ورجاله رجال الصحیح ،مجمع الزوائد،ج:٦،ص:١٤٧۔فتح الباری لابن حجر رحمۃ اللہ علیہ،ج:١٢ص:٦٥۔

[2] السیاسة الشرعیه: باب کیفیة معرفة الأصلح فی الولایة،ص١٩۔

قیامت تک جنگ اپنے ہتھیار نہیں ڈالے گی:

قرآن وسنت میں جہاں ایک طرف جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت واہمیت اور فرضیت کو بیان کیا گیا ہے وہاں اس حقیقت کو بھی کھول کر بیان کر دیا ہے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جس جنگ کا آغاز ہوا تھا اب وہ قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک وہ بغیر کسی وقفے اور تعطل کے جاری رہے گی ۔ قرآن کریم میں کافروں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾

''اور یہ (کافر) اب تم سے اس وقت تک اپنی پوری قوت کے ساتھ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں اپنے دین کی طرف پھیر دیں''۔[2]

بس اسی لئے قرآن کریم میں مسلمانوں کو بھی یہ حکم دے دیا گیا کہ:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾[3]

''اور قتال کرتے رہو ان (کافروں) سے یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے''۔

اسی حقیقت کو احادیث میں یوں بیان کیا گیا:

---

[1] منہاج السنہ ،ج:۱ص:۱۴۲۔

[2] البقرة:۲۱۷۔

[3] سورۃ الانفال:۳۹۔

((عن سلمۃ بن نفیل الکندی قال کنت جالسا عند رسول اللہ ﷺفقال رجل یارسول اللہ أذال الناس الخیل ووضعوا السلاح وقالوا لا جھاد قد وضعت الحرب اوزارھا ،فأقبل رسول اللہ ﷺبوجھہ وقال کذبوا،الآن الآن جاء القتال ولا یزال من امتی أمۃیقاتلون علی الحق ویزیغ اللہ لھم قلوب أقوام ویرزقھم منھم حتی تقوم الساعۃ وحتی یأتی وعد اللہ والخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ))[1]

’’سلمہ بن نفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ‘کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کی مجلس بابرکت میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی کہنے لگا: حضور لوگوں نے گھوڑے باندھ لئے ہیں اور ہتھیار رکھ دیئے ہیں کہتے ہیں ’’اب کوئی جہاد نہیں ‘‘بس اب جنگ نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے (یعنی جنگ ختم ہوچکی ہے)۔رسول اکرم ﷺ نے چہرہ مبارک آگے کیا، فرمانے لگے: ’’جھوٹ کہتے ہیں وہ لوگ، اب تو آیا ہے قتال کا وقت، اور میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قتال کرتی رہے گی ‘ان کے لئے اللہ کچھ قوموں کے دل ٹیڑھا کردے گا اور انہی سے ان کو رزق بھی فراہم کرے گا حتی کہ قیامت آجائے گی اور حتی کہ اللہ کا وعدہ آجائے گا ‘اور قیامت تک کے لئے اللہ نے گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ خیر کو وابستہ کردیا ہے‘‘۔

اسی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں جو کہ دوسری روایات میں موجود ہیں:

((ولاتضع الحرب اوزارھا حتی یخرج یاجوج ماجوج))[2]

---

[1] سنن النسائی،ج:۱۱ص:۳۰۸، رقم الحدیث:۳۵۰۵۔مسند احمد،ج:۳۴،ص:۳۱۸، رقم الحدیث:۱۶۳۵۱۔

[2] المعجم الکبیر للطبرانی،ج:۶ص:۱۵۷، رقم الحدیث:۶۲۳۶۔کنزالعمال،ج:۱۲ص:۱۷۸، رقم الحدیث:۳۴۵۵۴۔

"اور جنگ اپنے ہتھیار نہیں ڈالے گی (یعنی ختم نہیں ہو گی) یہاں تک یاجوج ماجوج نکل آئیں"۔

بس جو لوگ یہ سب کچھ جاننے اور علم رکھنے کے باوجود یہ کہیں کہ "ابھی جہاد کا وقت نہیں آیا"تو ان کے بارے میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

((لایزال الجهاد حلوا اخضر ماقطر القطر من السماء، وسيأتي على الناس زمان يقول فيه قراء منهم: ''ليس هذا زمان جهاد''۔فمن ادرك ذلك الزمان فنعم زمان الجهاد۔قالوا يارسول الله! واحد يقول ذلك؟فقال:نعم من عليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين(وفي رواية)أولئك هم وقود النار))[1]

"جب تک آسمان سے بارش برستی رہے گی تب تک جہاد تر و تازہ رہے گا۔اور لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جب ان کے علماء یہ کہیں گے کہ یہ جہاد کا زمانہ نہیں ہے۔لہٰذا ایسا دور جس کو ملے تو وہ "جہاد کا بہترین زمانہ "ہو گا۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی ایسا کہہ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا"ہاں وہ جس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہو!(اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ) یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے"۔

((عن انس بن مالك رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:من غزا غزوة في سبيل الله فقد أدى الى الله عزوجل جميع طاعة﴿فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِيۡنَ نَارًا﴾قال قيل يارسول الله صلى الله عليه وسلم: وبعد هذا الحديث الذي

[1] كنزالعمال ،ج ۴،ص۳۲۸رقم الحديث ۱۰۷۴۲۔السنن الواردة في الفتن ج:اص:۴۳۳، رقم الحديث:۳۷۳واسناده فيه كلام ۔

سمعنا منك من يدع الجهاد ويقعد؟قال:من لعنه الله وغضب عليه وأعد له عذاباعظيماقوم يكونون في آخر الزمان لايرون الجهاد وقد التخذ ربي عنده عهداًلايخلفه أيما عبد لقيه وهويرى ذلك أن يعذبه عذابا لايعذبه احدا من العالمين))[1]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جس نے اللہ کی راہ میں ایک جنگ بھی لڑی تو اس شخص نے اللہ کی کلی اطاعت کرلی (پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی)''پس جس جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے انکار کردے لیکن ہم نے انکار کرنے والے ظالموں کے لئے آگ تیار کررکھی ہے''۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ !اس حدیث کے بعد جو ابھی آپ سے ہم نے سنی ،اگر کوئی شخص جہاد چھوڑ کر بیٹھ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''یہ ایک شخص ہے جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب ناک ہوا اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کررکھا ہے۔ آخری زمانے میں ایک ایسی قوم اٹھی گی جو جہاد کو ترک کردے گی ،پس میرے رب نے یہ عہد کرلیاہے (اور وہ اپنے عہد کی خلاف نہیں کرتا) کہ جو شخص بھی اللہ سے اس حال میں ملا کہ اس نے جہاد کو ترک کررکھا تھاتو اس کو ایساعذاب دیاجائے گاجو اس سے پہلے تمام جہان والوں میں کسی کو نہیں دیاگیا''۔

آخری بات:

یہ تھے وہ چند حقائق و گزارشات جو کہ الدین النصیحة ''دین خیر خواہی کا نام ہے'' کے تحت عام مسلمانوں اور خصوصاً تبلیغی جماعت سے وابستہ احباب و متعلقین کے سامنے رکھنے کی کوشش کی گئی تاکہ وہ اس جماعت کو شریعت کے بیان کردہ منہج وفکر پر لے کر آئیں۔ بصورت دیگر پھر اپنی ساری محنت و سعی

[1] اخرجه ابن عساكرفي باب التغليظ في ترك الجهادبتمامه بحواله مشارع الاشواق الى مصارع العشاق۔

ان بندگانِ خدا کی مدد و نصرت میں لگا دیجئے جو اس کلمہ توحید کی سربلندی کی خاطر "نظام طاغوت" کے انہدام کے لئے صحیح اسلامی منہج و فکر کے مطابق اس آیت مبارکہ کی روشنی میں میدان میں اُتر چکے ہیں اور اپنا سب کچھ اس راہ میں لٹا رہے ہیں:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾[1]

"اور لڑتے رہو ان (نظام باطل کے محافظوں) سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے"۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے اور ہمیں دین متین کے سچے ساتھیوں کا ساتھ نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعاء ہے کہ گفتگو کے دوران جو بات حق بیان کی گئی اس پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو بات خلاف حق نکل گئی ہو اس کو ہمارے ذہنوں سے محو فرمائے اور ہم سب کو رشد و ہدایت کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین! رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کے آغاز سے پہلے یہ دعا مانگا کرتے تھے اور ہم بھی اسی کے طالب ہیں:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ))[2]

"اے اللہ! اے جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے رب! زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے! غیب اور حاضر کا علم رکھنے والے! آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان ان معاملات کا فیصلہ کریں گے جن میں وہ آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے! پس آپ ہی اس معاملے میں

---

[1] الانفال: ۳۸۔

[2] صحیح مسلم، ج: ۴، ص: ۱۶۸، رقم الحدیث: ۱۲۸۹۔

اپنے اذن سے (اس) حق کی طرف میری رہنمائی کیجئے جس میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ بلاشبہ آپ جسے چاہتے ہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دے دیتے ہیں"۔

﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾[1]

"سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے"

[1] طٰہٰ: ۴۷۔

((أردیۃ الغزاۃ السیوف))[1]

”تلواریں غازیوں کی چادریں ہیں“۔

((من اشراط الساعۃ أن تعطل السیوف من الجھاد))[2]

((من اشراط الساعۃ . . . . . . و تعطل السیوف عن الجھاد))[3]

[1] مصنف عبدالرزاق، ج:۵، ص:۳۰۶، رقم الحدیث:۹۷۰۰۔

[2] کنز العمال، ج:۱۰، ص:۲۰۱۔

[3] کنز العمال، ج:۱۴، ص:۲۴۰، رقم الحدیث:۳۸۵۵۸۔

غزوۂ بدر کے بارے میں تضاد بیانی:

تبلیغی جماعت کے نامور مقرر مولانا طارق جمیل صاحب مسجد عائشہ، فیصل آباد میں خطبۂ جمعہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہم ہیں کچے مسلمان، ہمیں کہاں سے راستہ ملے گا؟ بدر میں تین سو تیرہ (۳۱۳) تھے، تم نے ابھی تک تین سو تیرہ بھی تیار نہیں کئے۔ یہ نا سمجھنے کی وجہ سے باتیں ہو رہی ہیں کہ ''الجہاد، الجہاد''۔ ابھی تک ۳۱۳ بھی تیار نہیں ہوئے''۔[1]

لیکن دوسری طرف غزوۂ بدر کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''بدر ہمارے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔ بدر تو صحابہ کے لئے بھی دلیل نہ تھا۔ اگر بدر دلیل ہوتا تو خندق میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت کیوں تھی؟ سارے سر جوڑ کے بیٹھے ہیں کیا کریں؟ ۱۰ ہزار کا لشکر لے کر ابو سفیان آرہا ہے، کوئی ایک تو کھڑا ہو کے کہہ دیتا یا رسول اللہ! کیا بات ہے، آرہا ہے تو آنے دیں۔ (کیا) بدر میں فرشتے نہیں آئے تھے؟ اب بھی فرشتے آجائیں گے! ہمیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے! آئیں تو سہی، ہم ان کی پسلیاں توڑ کر رکھ دیں۔ چلو صحابی تو صحابی ہے، اللہ کا نبی ہی تسلی دیتا کہ ڈرو نہیں، غم نہ کرو، فرشتے موجود، جبریل موجود، اللہ موجود، فرشتے آئیں گے، فتح ہو جائے گی''۔[2]

ایک اور جگہ ''غزوۂ بدر'' کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[1] بحوالہ ''کلمۃ الھادی الی سواء السبیل'' ص:۴۸۔

[2] بحوالہ ''کلمۃ الھادی الی سواء السبیل'' ص:۱۷۸۔

"جذبہ اور عقل دو مختلف چیزیں ہیں۔ تو وہ لوگ سمجھ بیٹھے کہ "بدر" والا معاملہ ہمارے ساتھ ہو جائے گا۔ (حقیقتاً) بدر "معجزہ" ہے، معجزہ دلیل نہیں ہوا کرتے۔ اللہ نے اپنے نبی کے لئے جو معجزہ چھوڑا وہ علم چھوڑا۔ وہ لاٹھی کا سانپ بن جانا، مردے کا زندہ ہو جانا، اونٹنی کا پتھر سے نکل آنا (غرضیکہ) آپ ﷺ نے زندہ علمی معجزہ چھوڑا۔ "بدر" ایک معجزہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ "میں اہل ایمان کے ساتھ ہوں"۔ اگر بدر والی حجت ہوتی تو خندق کھودنے کی کیا ضرورت تھی۔ بدر میں ۳۱۳ اور مدینہ میں تین ہزار ہے۔ اگر بدر والی ترتیب حجت ہے اور بس جبرائیل بھی آجائے گا اور میکائیل بھی آجائے گا تو خندق کھودنے کی کیا ضرورت ہے؟"۔

اسی طرح تبلیغی جماعت کے نامور اکابر مولانا احمد صاحب مسلمانوں کی موجودہ ذلت و پستی کا ذمہ دار جہاد کرنے والوں کو قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"بدر میں ایک ہتھیار نہیں ایک تلوار نہیں اور وہ (کفار) تین گنا ہیں، (پھر بھی) ان پر غالب ہیں اور (آج) یہاں ساری مار پڑ رہی ہے۔ اللہ نے عقل دی ہے سوچنا چاہیے ایسے ہی اٹھ کر (جہاد پر) چلے جائیں"۔[1]

☆ غزوۂ خندق کے موقع پر قیصر و کسریٰ کی فتح کی بشارت

☆ کیا بدر میں مقدور بھر استعداد لے کر میدان میں نہیں آئے؟

"جہاد کا منکر تو پکا کافر ہے، ہاں وقت میں اختلاف ہے۔ ہم کچے مسلمان ہیں۔ اس بھنور سے نکلنے کے لئے صحابہ کے دور سے ہمیں راستہ نہیں ملے گا۔ پیچھے جانا پڑے گا بنی اسرائیل میں"۔[1]

[1] اپریل ۲۰۰۹ء اسلام آباد اجتماع کی کیسٹ ریکارڈنگ سے ایک اقتباس۔ سرحد اسلامی کیسٹ گھر، راولپنڈی۔

جب جہاد ''فرض عین'' ہو جائے تو اس بارے میں شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ضروری ہے کہ ہر شخص تن تنہا، اگرچہ ضعیف اور کم استطاعت ہو، امام کی آواز سن کر اپنے گھر سے نکلے پڑے، جس قدر سامانِ جنگ میسر ہو لشکرِ اسلام میں پہنچادے تا کہ ''قیام جہاد'' کی صورت پیدا ہو، نہ یہ (جہاد کے لئے نکلنے والوں پر لعنت ملامت کرتے ہوئے) اپنے آپ کو عباد اللہ کے زمرے سے نکال کر پیٹ پرست لوگوں میں داخل ہو۔ دین متین کے اس رکن کو چھوڑ کر دنیاداروں کی کاسہ لیسی اور عورتوں کی فرج رسائی کو اپنا پیشہ بنالے''۔[2]

چنانچہ جو لوگ کفار سے ''قتال'' کے لئے ان کے مساوی قوت و استعداد کے حصول کو لازمی قرار دیتے ہیں، وہ تو شاید قیامت تک بھی مسلمانوں کو حاصل نہ ہو سکے سوائے اللہ کی مدد و نصرت کہ، پھر تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ اہل ایمان نے کبھی جنگوں میں کامیابی اپنی قوت و استعداد کی بناء پر حاصل نہیں کی اور نہ ہی کبھی ان کو کفار کے مساوی طاقت و استعداد حاصل رہی، سوائے چند ایک استثناء کہ، ہمیشہ ان کو فتح و کامرانی جذبۂ جہاد، مقدور بھر تیاری اور پھر اللہ پر کامل توکل کی بنیاد پر ملی۔

غزوۂ حنین کے موقع پر جب مسلمانوں کو اپنی کثرتِ تعداد اور اپنی طاقت و استعداد پر تھوڑا سا ناز ہو گیا تھا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً تنبیہ اس صورت میں آئی کہ لشکر اسلام کے عارضی طور پر قدم اکھڑنے لگے۔ مگر بعد میں اللہ کی نصرت و مدد سے فتح یابی نصیب ہوئی۔

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ○ثُمَّ أَنْزَلَ

[1] بحوالہ ''کلمۃ الھادی الی سواء السبیل'' ص:۴۸۔

[2] ترجمہ و تلخیص، مکاتیب سید احمد رحمۃ اللہ علیہ، ص:۷۶، مکتبہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ ''کلمۃ الھادی الی سواء السبیل'' ص:۲۰۰۔

اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ○﴾[1]

"بے شک اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور غزوۂ حنین کے دن بھی جبکہ تمہیں اپنی کثرتِ تعداد پر ناز تھا، مگر وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول ﷺ پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اُتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے اُن لوگوں کا جو حق کا انکار کریں"۔

آج بھی اگر اہل ایمان کا اللہ کی مدد و نصرت پر اور معجزات پر کامل یقین ہو اور کفار کے مساوی نہیں بلکہ اپنی مقدور بھر تیاری کے ساتھ میدان میں اُتریں، تو اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[2]

"(اے کافرو!) تمہاری جمعیت، خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو تمہارے کچھ کام نہ آسکے گی (کیونکہ) اللہ مومنوں کے ساتھ ہے"۔

فضائے بدر پیدا کر کہ فرشتے تیری نصرت کو

گردوں سے اتر سکتے ہیں قطار اندر قطار اب بھی

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو عراق کی جنگ میں بھیجتے ہوئے ایک طویل خطبہ میں ارشاد فرمایا:

---

[1] التوبة:۲۶،۲۴۔

[2] الانفال:۱۹۔

''وانما ینصر المسلمون بمعصیة عدوھم ولولا ذلك لم تکن لنا بھم قوة لان عددنا لیس کعدوھم وعدتنا لست کعدتھم''[1]

''مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کی جاتی ہے جب کہ ان کا دشمن اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مبتلا ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہمیں ان سے مقابلہ کی طاقت حاصل نہیں کہ ہماری تعداد ان کے برابر نہیں اور ہمارے پاس ان جیسا اسلحہ بھی نہیں''۔

جب جہاد ''فرض عین'' ہو جائے تو اس بارے میں شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ضروری ہے کہ ہر شخص تن تنہا، اگرچہ ضعیف اور کم استطاعت ہو، امام کی آواز سن کر اپنے گھر سے نکلے پڑے، جس قدر سامانِ جنگ میسر ہو لشکرِ اسلام میں پہنچادے تاکہ ''قیام جہاد'' کی صورت پیدا ہو، نہ یہ (جہاد کے لئے نکلنے والوں پر لعنت ملامت کرتے ہوئے) اپنے آپ کو عباد اللہ کے زمرے سے نکال کر پیٹ پرست لوگوں میں داخل ہو۔ دین متین کے اس رکن کو چھوڑ کر دنیاداروں کی کاسہ لیسی اور عورتوں کی فرج رسائی کو اپنا پیشہ بنالے''۔[2]

☆ کلام اللہ کو چھوڑ کر صرف ایک کتاب کو ہی تھامنا.............!

((ھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ))[3]

''یہ قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے''

---

[1] اتمام الوفا فی خلافة الخلفاء ص:۱۶ بحوالہ ''کلمة الهادی الی سواء السبیل'' ص:۱۴۶۔

[2] ترجمہ و تلخیص، مکاتیب سید احمد رحمۃ اللہ علیہ، ص:۶۷، مکتبہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ ''کلمة الهادی الی سواء السبیل'' ص:۲۰۰۔

[3] جامع ترمذی و دارمی۔

((اَلْقُرْاٰنُ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْض))[1]

" قرآن ہی اللہ کی وہ رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔"

((فَاِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُہٗ بِیَدِاللّٰہِ وطَرَفُہٗ بِاَیْدِیْکُمْ فَتَمَسَّکُوْبِہٖ فَاِنَّکُمْ لَنْ تَھْلِکُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اَبَداً))[2]

"بس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں۔ پس اگر تم نے اسے تھامے رکھا تو تم اس کے بعد نہ کبھی ہلاک ہوگے اور نہ کبھی گمراہ۔"

((وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَااِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَداً وَھُوَ کِتَابُ اللّٰہ))[3]

"میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جارہا ہوں جس کے ساتھ اگر مضبوطی سے چمٹے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز ہے کتاب اللہ۔"

((یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ مِنْ اٰنَاءِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَافْشُوْہُ وَتَغَنَّوْہُ وَتَدَبَّرُوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ))[4]

"اے قرآن والو! قرآن کو اپنی (خواہشات کا) تکیہ نہ بنالینا بلکہ اس کی آیات کی صبح و شام تلاوت کرو، اس کو پھیلاؤ، اس کو اپنی آواز سے مزین کرو اور اس میں غور و فکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

---

[1] کنز العمال۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

[2] طبرانی کبیر۔

[3] صحیح مسلم۔

[4] رواہ البھیقی فی شعب الایمان۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو تھامے رکھنا ہی راہ ہدایت پر چلنے کیلئے ضروری ہے۔ اس کو چھوڑ کر ہم جس چیز کو بھی اختیار کریں گے وہ ہمیں گمراہی کے اندھیرے میں پھینک دے گی۔ آیئے اب ہم ازروئے قرآن " قرآن کا مقصدِ نزول " سمجھتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((لَا خَیْرَ فِیْ قِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ لَیْسَ فِیْھَا تَدَبُّرٌ))

"اُس قرآن کریم کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں جس میں غور فکر نہ ہو۔"

"آہستہ آہستہ قرآن پڑھنا اور غور کرنا جس میں قرآن اگرچہ تھوڑا پڑھا جائے اس سے بہتر ہے کہ جلدی جلدی پڑھا جائے، کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا ہے اور غور کرنا ہے، تاکہ اس پر عمل ہو سکے، اور اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا اس کے معنی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔" [1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے:

"جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد اپنی امت کے اختلاف اور انتشار کی خبر دی تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، یارسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں اس وقت کو پاؤں تو آپ مجھ کو کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " کلام اللہ کو سیکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا کہ نجات کی صورت یہی ہے۔" وہ کہتے ہیں میں نے تین مرتبہ سوال کیا جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات ارشاد فرمائی۔ [2]

---

[1] ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

[2] ابوداؤد۔نسائی۔

مولوی انیس احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اقتباس سامنے رہے جو مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ ''ادارہ نظارۃ المعارف'' کے سند یافتہ اور فاضل ہیں اور اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ''ریشمی رومال'' کے رفیق کار ہیں، وہ کہتے ہیں:

''اس (تذکر اور تدبر) کی مثال یہ ہے کہ پانی سے اس زمانے میں بھاپ حاصل کر کے مختلف کام لئے جاتے ہیں اور ریل گاڑیاں وغیرہ چلائی جاتی ہیں۔ اس طرح پانی سے صرف وہ لوگ کام لے سکتے ہیں جو سائنس سے واقف ہیں، لیکن ہر شخص چاہے وہ کیسا ہی جاہل ہو، پانی سے اپنی پیاس بجھا کر زندگی برقرار رکھ سکتا ہے.......... اسی طرح مذہبی اور روحانی زندگی کو قائم رکھنے لئے جس آب حیات کی ضرورت ہے اس کو ہر شخص خواہ وہ جاہل ہو یا عالم، قرآن کریم کے بحر ذخائر سے باآسانی حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ جو شخص جتنا زیادہ عالم ہو گا وہ علم و حکمت کے اتنے ہی زیادہ موتی اس سمندر سے حاصل کر سکے گا چونکہ ہم اس خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں کہ ہم بڑے عالم نہیں اور ہم قرآن کریم کے زیادہ نکات نہیں سمجھتے، اس لئے ہم کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تباہ اور برباد کر دینے والی غلطی کی وجہ سے ہم قرآن کریم سے محروم ہوتے جا رہے ہیں اور ہماری مذہبی اور روحانی حیات کا خاتمہ ہو رہا ہے.......... زندگی قائم رکھنے کیلئے جس چیز کی جس قدر ضرورت ہے اس کا میسر آنا بھی اللہ تعالیٰ نے اسی نسبت سے آسان کر دیا ہے، ہوا اور پانی کس آسانی سے مل سکتے ہیں۔ اسی طرح حیاتِ ایمانی اور روحانی زندگی کی بقاء کیلئے جس تعلیم کی ضرورت ہے وہ قرآن کریم میں نہایت صاف اور روشن طریقے سے موجود ہے اور ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کو تو ہم سمجھ ہی نہیں سکتے''[1]

[1] انوار القرآن از مولوی انیس رحمۃ اللہ علیہ۔

ان حضرات کو نہ جانے کہاں سے یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ قرآن صرف علماء کے پڑھنے کی اور سمجھنے کی کتاب ہے ، ہمارا کام تو صرف اس کی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرنا ہے اور بطور ''وظیفہ'' پڑھنا ہے۔ اسی کیفیت کے بارے میں

لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے ہمارے معاشرے میں لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہم قرآن کو بالکل نہیں سمجھ سکتے، اس کے سمجھنے کے لئے بہت سے علوم وفنون حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے بنیادی پیغام کو سمجھنے کیلئے عالم ہونا ضروری ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّينَ رَسُولا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُبِينٍ﴾[1]

'' وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے (محمد ﷺ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس (قرآن) کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔''

سو جو کوئی یہ آیت سن کر کہنے لگے کہ رسول ﷺ کی بات کو سوائے عالموں کے کوئی اور نہیں سمجھ سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی اور نہیں چل سکتا............ تو اس نے (یہ کہہ کر) اس آیت کا انکار کیا۔ اس بات کی ایک مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی بہت بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار، پھر کوئی شخص اس بیمار سے کہے کہ فلاں حکیم کے پاس جاؤ اور اس سے علاج کراؤ............ اس کے جواب میں وہ بیمار کہے کہ اس حکیم سے علاج کروانا تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے، مجھ سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے، میں تو سخت بیمار ہوں. پس وہ بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت سے انکار کرتا ہے............ اس لیے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے

[1] الجمعة:۲۔

علاج کے لئے ہے۔ جو حکیم صرف صحت مندوں کا علاج کرے اور انہی کو اس کی دوا سے فائدہ ہو اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ حکیم کاہے کا ہے“ [1]

”ہمارا برتاؤ اس قرآن کے ساتھ کیا ہے؟ کتنے ہیں ہم میں سے جو اس کو کتاب ہدایت سمجھتے ہیں؟ کتنے ہیں جو کسی اردو ترجمہ یا تفسیر کی روشنی میں یا درس قرآن کے کسی حلقہ میں شریک ہو کر ہی اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لئے اپنے وقت کا کچھ حصہ صرف کرتے ہیں............؟؟ [2]

☆ ”رسول کے طریقے میں کامیابی ہے اور غیروں کے طریقے میں ناکامی ہے“۔ اس قول کا اصل مفہوم...........!

☆ ”لوگ ٹھیک ہو جائیں تو نظام خود بہ خود بدل جائے گا“۔ کیا ایسا ممکن ہے...........؟؟

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لااله الا الله وأنّ محمداًرسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة فاذا فعلوا ذلك عصموا منى دماء هم وأموالهم الا بحقّها وحسابهم على الله)) [3]

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ ”لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی گواہی نہ دیں، اور نمازیں قائم کریں، زکاۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کریں گے تو ان کا مال اور جان محفوظ ہے سوائے اس حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔“

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ درج بالا امر ارشاد فرمانے کے بعد:

---

[1] تقوية الايمان۔

[2] اقتباس از ”اگر رسول ا اس زمانے میں ہوتے“۔ ماہنامہ تدریس القرآن۔

[3] صحيح البخاری، ج:۱، ص:۱۷، رقم الحديث:۲۵۔

((ثم قرأ انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر))[1]

"پھر آپ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیات تلاوت فرمائیں﴿اِنَّمَآ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ○لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ ﴾"بے شک آپ یاددہانی کرانے والے ہیں اے نبی آپ ان کے اوپر ذمے دار نہیں ہیں"۔

☆ "اکرام مسلم" کا صحیح مفہوم...........!!

کیا یہ حدیث ہمارے لئے نہیں:

"اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ایک آدمی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر وہ مظلوم ہے تو میں اس کی مدد کروں لیکن اگر وہ ظالم ہے تو کیسے اس کی مدد کروں؟ آپ نے فرمایا، تم اس کو ظلم سے باز رکھو، یہی اس کی مدد ہے۔"[2]

"وہ شخص مسلمانوں میں سے نہیں جس کو مسلمانوں کے مسائل ومعاملات کی فکر نہ ہو۔"[3]

"ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، (اس لئے) نہ تو خود اس پر زیادتی کرے، اور نہ دوسروں کا نشانہ ظلم بننے کیلئے بے یارومددگار نہیں چھوڑدے۔"[4]

اس حوالے سے اسیر مالٹا شیخ الھند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم،ج:۱،ص:۵۲، رقم الحدیث:۲۱۔

[2] بخاری۔

[3] رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

[4] بخاری۔مسلم۔

''بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہرے پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں خوف وہراس طاری ہو جاتا ہے۔ خدا کا نہیں، بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا، اور ان کے سامانِ حرب وضرب کا خوف طاری ہو جاتا ہے''[1]

اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے ۱۲ روز قبل جمیعت علماء ہند کے دہلی میں منعقدہ اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں یہ پیغام دیا تھا کہ:

''اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی اور سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل اور مکمل نظام رکھتا ہے............ جو لوگ موجودہ زمانے کی کش مکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھے رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھتے ہیں وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک ''بد نما داغ'' لگاتے ہیں۔''[2]

[1] جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڑھ انڈیا۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء، حوالہ از کتاب ''اسیر مالٹا''۔
[2] مولانا سید محمد ارشد مدنی۔ روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ مئی ۲۰۰۱ء۔